MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL
ماہنامہ
مرآۃ العارفین انٹرنیشنل
لاہور
جلد نمبر 25
شمارہ نمبر 03
جولائی 2024ء، محرم الحرام 1446ھ
WWW.MIRRAT.COM

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نمبر

شاہ است حسین علیہ السلام بادشاہ است حسین علیہ السلام
دین است حسین علیہ السلام دین پناہ است حسین علیہ السلام
سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین علیہ السلام

سیدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں، اللہ تعالیٰ اُس شخص سے محبت فرماتا ہے جو حسینؓ سے محبت کرتا ہے

(سنن الترمذی)

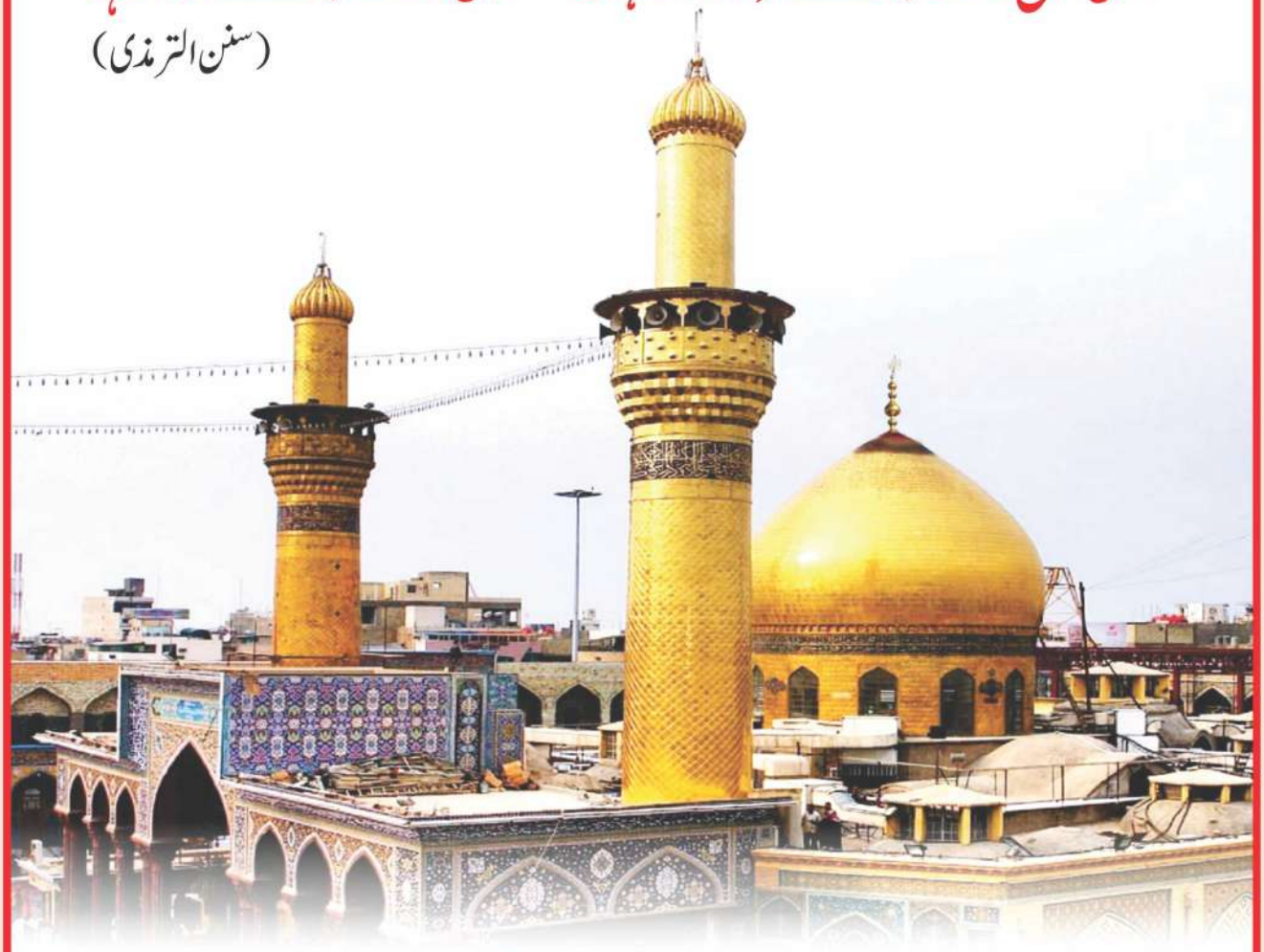

جے کر دین علم وچ ہوندا تاں سر نیزے کیوں چڑھدے ھو
اٹھارہ ہزار جو عالم آہا اوہ اگے حسینؓ دے مردے ھو
جے کجھ ملاحظہ سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دا کردے تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ھو
جیکر مندے بیعت رسولؐ تاں پانی کیوں بند کردے ھو
پر صادق دین تنہاں دے باھوؒ جو سر قربانی کردے ھو

مسلسل اشاعت کا پچیسواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماہنامہ

مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

لاہور

جولائی 2024ء، محرم الحرام 1446ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فیضانِ نظر

سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحب قدس سرہ العزیز

چیف ایڈیٹر

صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹوریل بورڈ

• سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ
• مفتی محمد شیر القادری • افضل عباس خان

آرٹ ایڈیٹر

• محمد احمد رضا • واصف علی

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیمبر، اتحادِ ملّتِ بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

اس شمارے میں

1	اقتباس		3
	اداریہ		
2	دستک		4
	سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) نمبر		
3	نواسۂ رسول (ﷺ) شانۂ رسول (ﷺ) پر	محمد ذیشان دانش	5
4	سیدنا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ): نظریہ توحید کے پیامبر	میاں محمد ضیاء الدین	8
5	سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے پند و نصائح	میاں عابد علی ماتریدی	12
6	مستشرقین اور واقعہ کربلا کا سیاسی تجزیہ	وسیم فارابی	16
7	فقرِ شبیری	مفتی محمد منظور حسین	20
8	حسینیت اور ملائیت: سلطان باھو اور علامہ اقبال کے فکری اشتراک کا ایک پہلو	سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ	23
9	سیّد الشہداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے خطوط و خطبات کا اجمالی جائزہ	مفتی محمد اسماعیل خان نیازی	28
10	دربارِ رسالت (ﷺ) میں شہادتِ حسین (رضی اللہ عنہ) کے تذکرے	مفتی محمد صدیق خان قادری	35
11	فلسفۂ فضیلت اور تعلیماتِ حضرت سلطان باھوؒ میں سادات (رضی اللہ عنہم) کا مقام	مفتی محمد شیر القادری	38
12	کلاسیک اردو شعراء کے کلام میں تذکرۂ امام حُسین (رضی اللہ عنہ)	مستحسن رضا جامی	42
13	واقعۂ کربلا: کلام شاہ عبد اللطیف بھٹائی (رحمۃ اللہ علیہ) کی روشنی میں	مقصود احمد	46
14	منقبت امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ)	ڈاکٹر عظمیٰ زرین نازیہ، مستحسن رضا جامی	49

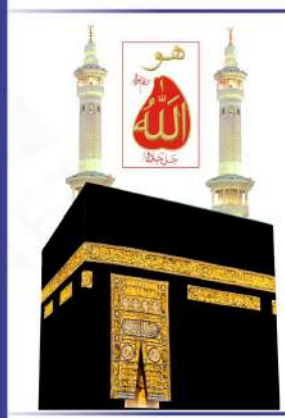

فی شمارہ نیوز پیپر 80 روپے
سالانہ (ممبر شپ) 960 روپے

فی شمارہ آرٹ پیپر 110 روپے
سالانہ (ممبر شپ) 1320 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
800	400	280

اپنی بہترین اور مؤثر کاروباری تشہیر کیلئے مرآۃ العارفین میں اشتہار دیجئے رابطہ کیلئے: 0300-1275009

پبلشر سجاد علی چوہدری نے قاسم نعیم آرٹ پریس، بندر روڈ، لاہور سے چھپوا کر 8-BS-698 تاج کمپنی چوک نزد ایم سی پی چوہان روڈ بندر روڈ لاہور سے شائع کیا

" اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيْرًا"

"بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے) اَہلِ بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا مَیل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے)"-(الاحزاب:33)

"حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "یہ دونوں (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) میرے بیٹے اور میری صاحبزادی کے بیٹے ہیں- یااللہ! بے شک میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پس تُو بھی ان دونوں سے محبت فرما اور جو ان سے محبت کرے تُو اُن سے بھی محبت فرما"-

(سنن الترمذی، بَابُ مَنَاقِبِ أَبِي مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَالْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا)

سرجانی محبوبِ سبحانی غوث الاعظم محی الدین

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رضی اللہ عنہ) فرمان

"فرمادو کہ میں اپنی تبلیغ اور تمہارے ڈرانے پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، کوئی دنیاوی نفع و مزدوری طلب نہیں کرتا مگر میں تم سے اپنے اہل بیت کی محبت و مودت طلب کرتا ہوں تاکہ ان سے تمہارے استفادہ اور استرشاد کا راستہ دائماً چلتا رہے- کیونکہ وہ بھی میری طرح توحید ذاتی کی فطرت پر پیدا کیے گئے ہیں- مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو عرض کیا گیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قرابت والے کون ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "فاطمہ، علی اور ان دونوں کے صاحبزادے (رضی اللہ عنہم)"- اس پر تمہارے لیے بحیثیت شہادت یہ بات کافی ہے کہ ایسے آئمہ کرام کا تشریف لانا ہے جو حق و توحید کے راستہ میں اکابر اولو العزم میں سے ہیں ان پر اور ان کے خلفاء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام نازل ہو جو ایک نسل کے بعد دوسری نسل سے آتے رہے اور جو شخص حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متابعت اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہل بیت کی اتباع میں کوئی دینی و حقیقی نیکی کماتا ہے ہم اس کے لیے اس میں یعنی اس پر مرتب ہونے والی اخروی زندگی کے کمالات میں زیادہ حسن بڑھائیں گے جو ہماری طرف سے فضل و احسان ہو گا"- (تفسیر الجیلانیؒ)

سلطان العارفین

حضرت سلطان باھُو (رحمۃ اللہ علیہ) فرمان

جے کر دین علم وچ ہوندا تاں سر نیزے کیوں چڑھدے ھو
اٹھارہ ہزار جو عالم آہا اوہ اگے حسین دے مردے ھو
جے کجھ ملاحظہ سرور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دا کردے تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ھو
جیکر مندے بیعت رسولی تاں پانی کیوں بند کردے ھو
پر صادق دین تنہاں دے باھو جو سر قربانی کردے ھو

(ابیاتِ باھُو)

فرمانِ قائداعظم محمد علی جناح (رحمۃ اللہ علیہ)

ایمان ، اتحاد، تنظیم

"عہد کریں کہ ہم اپنے تخیل کے مطابق مملکت قائم کرنے کے اپنے مقصد سے ہر گز منہ نہ موڑیں گے خواہ اس کے لئے ہمیں کتنی ہی قربانیوں، امتحانوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑے اور اپنے مقصد کے حصول کی خاطر اپنی تمام صلاحیتوں اور وسائل کو بروئے کار لائیں گے"-

(عید الاضحیٰ پر قوم کے نام پیغام کراچی، 24 اکتوبر 1947ء)

فرمانِ علامہ محمد اقبال (رحمۃ اللہ علیہ)

حقیقت ابدی ہے مقام شبیریؑ
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی
عجب نہیں کہ مسلماں کو پھر عطا کر دیں
شکوہ سنجر و فقر جنید و بسطامیؒ

(بالِ جبریل)

نسلِ نو کی کردار سازی: حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی جدوجہد سے اسباق

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ارشاد فرمایا: ''افضل جہاد ظالم سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے''۔ (نسائی)

تاریخ کا کوئی بھی بڑا واقعہ ہو جس میں کسی غیر معمولی شخصیت کی عظیم جدوجہد ہو وہ اپنے دامن میں کثیر الجہات اسباق مفہوم رکھتا ہے، جسے متعدد زاویہ ہائے نظر سے دیکھا جانا ضروری ہے۔ سانحہ کربلا نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ انسانی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ ہے جس میں محسنِ انسانیت و انسانِ کامل و اکمل حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے نواسے حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) نے ایک عدیم النظیر استقامت کا مظاہرہ کیا اور اپنے نظریے کی صداقت پہ قربانیوں کی لازوال شہادت پیش کی۔ سقراط نے اپنے سچ کی پہریداری میں بڑی ہمت دکھائی اور اپنی جان زہر کا پیالہ پی کر قربان کر ڈالی مگر حسین ابن علی (رضی اللہ عنہما) سے اس کا کیا موازنہ کیا جائے اور نہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہاں تو سچ کی پہریداری کیلئے ایک جان نہیں، ایک عمر کے ایک دستے کی جانیں نہیں بلکہ عمر کے ہر حصے سے تعلق رکھنے والے 72 لوگوں نے حق و صداقت کی پہریداری کیلئے جانیں قربان کر دیں۔ پہلا سبق تو یہ اخذ ہوتا ہے کہ دنیا کے ہر عظیم انسان کے نزدیک سب سے قیمتی چیز ''سچ'' ہے، تو سچ کے حصول اور اس کی حفاظت کیلئے کچھ بھی قربان کیا جا سکتا ہے مگر کسی بھی چیز کے عوض ''سچ'' کو قربان نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی جدوجہد سے اسلامی تہذیب کے بنیادی اصول بھی سیکھنے کو ملتے ہیں اور یہ بھی کہ اپنی تہذیب کی حفاظت ہر قیمت پہ کرنی چاہئے۔ مشہور مؤرخ ابن جریر طبری نے آپؓ کا ایک خطبہ لکھا ہے جس میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنی جدوجہد کی وجوہات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''(یزید کے) ان غیر شرعی اقدامات کے ظاہر ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص قولاً یا فعلاً اس کی مخالفت نہیں کرے گا تو ضرور اللہ تعالیٰ اس کو بھی اُسی کے اعمال میں شامل کرے گا''۔ مذکورہ خطبے کے مطابق ان میں سے چند ایک اقدامات و اعمال یہ ہیں: 1۔ مخلوقِ خدا پہ ظلم کرنا، 2۔ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال سمجھنا اور شرعی حدود کو معطّل کرنا، 3۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑنا (حکمران کے اللہ سے کئی عہد ہیں جیسے ہر حال میں عدل و انصاف، تقویٰ کو عزت کا معیار بنانا، مساوات کا قیام، مشکل وقت میں رعایا کا ساتھی جیسے حضرت یوسف (علیہ السلام) بنے، ظلم و فساد کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ، رعایا کی جان مال اور آبرو کی حفاظت کرنا)، 4۔ خلافِ سنت راستہ اختیار کرنا (مثلاً سنت میں حکمران کیلئے اقرباپروری، رشوت، عدل میں جانبداری، نسلی تفاخر، وسائل و غنیمت کی غیر منصفانہ تقسیم، اللہ و رسول سے زیادہ اپنی وفاداری کو معیار بنانا اور خود کو احتساب سے مستثنیٰ سمجھنا وغیرہم جیسے امور منع ہیں)، اور 5۔ فساد برپا کرنا وغیرہ۔ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی قربانی ہمیں اپنے بلند پایہ تہذیبی عناصر کی حفاظت سکھاتی ہے۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر اگر سیّدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) علم حق بلند نہ فرماتے تو آج تک حقیقت مشتبہ ہی رہتی اور ملوکیت کو سندِ جواز مل جاتا جیسے کلیم اللہ اگر فرعون کے خلاف قیام نہ فرماتے تو فرعونیت قائم رہتی۔ اگر سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا اسوہ ہمارے سامنے نہ ہوتو جبر و استبداد کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھ سکتا۔

سیّدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی قربانی ہمیں غیرت و حمیّت کے ساتھ آزادی اور خود مختاری کی قدر کرنے کا درس بھی دیتی ہے۔ آپؓ نے کبھی بھی ظلم اور جبر کے آگے سر نہیں جھکایا۔ نسلِ نو کو یہ سبق سیکھنا چاہیے کہ وہ اپنی آزادی اور خود مختاری کی حفاظت کریں اور کبھی بھی ظلم و جبر کے سامنے نہ جھکیں۔ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی شخصیت جہاں اخلاق اور حسنِ سلوک کا اعلیٰ معیار پیش کرتی ہے وہاں آپؓ کی علم و حکمت اور منطقی استدلال بھی اس نوجوان نسل کے لئے باعث تقلید ہیں کیونکہ آپؓ نے اتنے مشکل وقت میں بھی منطق و حکمت کو نظر انداز نہیں فرمایا۔ آپؓ کے خطوط و خطبات اس کی واضح مثال ہیں۔ سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی زندگی ہمیں خود احتسابی اور خود شناسی کا سبق بھی دیتی ہے۔ مختصر! آپؓ کی زندگی مبارک قرآن کریم کی عملی تفسیر اور دین اسلام کی ترجمان ہے۔ بقول علامہ محمد اقبال (رحمۃ اللہ علیہ):

رمز قرآن از حسین آموختیم   ز آتش اُو شعلہ ہا اندوختیم

درحقیقت ہم نے قرآن کریم کے حقیقی معانی اور منشا کو حسینؓ سے سیکھا ہے، جو اس کے ضابطہ سچائی اور اصولوں کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ آج جو ہمارے دلوں میں سچائی کے شعلے اور خدا کی محبت جل رہی ہے ان کی گرمی حسینؓ کی جلائی ہوئی آتشِ عشق کی مرہونِ منت ہے۔ سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے جو اُمت کے لئے کرب و بلا کے تپتے صحرا کے صفحات پر ہماری نجات کا جو عنوان رقم کیا ہے، ہمیں ہر حال میں اُسے فالو کرنے کی ضرورت ہے۔

انسان کا ظاہری وجود اپنے تخلیقی مراحل میں تھا، جب اللہ تعالیٰ نے عظمتِ انسان کا اعلان کیا-اس حکم کے عام ہونے پر دو فکروں نے جنم لیا ایک تسلیم و رضا کی فکر تھی، دوسری بغاوت و سرکشی کی-اول الذکر کو "فکرِ جبرائیل" کہتے ہیں جو عزت کی پوشاک پہنے، اخلاص سے آراستہ، محبت کی خوشبو سے دھل کر اپنے مالک و خالق کے حکم کی بجاآوری کے لئے تیار ہوئی اور وجود انسان میں "من روحی" کے امر کی منتظر ہوگئی کہ کب مالک حکم دے اور ہم اپنی اطاعتوں کے پھول نچھاور کریں - دوسری فکر "فکرِ ابلیس" کہلائی، جو غضب کا چولا پہن کر، حسد کی بھٹی میں پکتے ہوئے غرور اور تکبر سے مالک کے سامنے کھڑی ہوگئی اور برملا اعلان کروانے لگی کہ میں تیرے بنائے ہوئے انسان کو گمراہ کروں گی- اس وقت سے چلا یہ سلسلہ آج تک قائم و دائم ہے بس اس فکر کے نام بدلتے رہے اور ان دونوں افکار کے نمائندے دنیا پر اپنے حصے کا کام کرتے رہے-جوں جوں وقت گزرتا گیا فکر جبرائیل کے نمائندگان کا امتحان سخت سے سخت ہونے لگا، یہ دونوں افکار کبھی ہابیل و قابیل کی صورت میں سامنے آئے تو کبھی ابراہیمؑ و نمرود کو ان کا نمائندہ دیکھا گیا، موسیٰؑ و فرعون نے اس فکر کو آگے بڑھایا اور پھر آقا دوجہاں حضرت محمد مصطفٰے (ﷺ) کے سامنے ابو جہل آیا جو ابلیس کی مانند اپنے علم و حکمت پر مغرور تھا- گو کہ حق و باطل کے اس ازلی معرکہ میں سلسلۂ حق کا سفر جاری رہا لیکن ہر پڑاؤ پر حق کے نمائندگان کا نام و عزم پوری قوت سے جھلکتا رہا- لیکن 61ھ میں نواسۂ نبی آخری الزمان (ﷺ) امام عالی مقام حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے وہ داستان رقم کی، کہ حق و باطل کے لئے استعمال کی جانے والی "اصطلاحات کا سفر" اب "حسینیت" اور "یزیدیّت" پر اختتام پذیر ہوا- فکر جبرائیل کا ہر نمائندہ تا قیامت اب آپؓ کی نسبت سے "حسینی" کہلائے گا اور باطل کا پیروکار "یزیدی"-

امام عالی مقام حضرت حسین ابن علی (رضی اللہ عنہما) کی پیدائش سے قبل ہی آپؓ کی پیدائش کی بشارت دے دی گئی- آپؓ نے رسالت (ﷺ) کی گود میں تقریباً 6 برس اور کچھ ماہ کا عرصہ گزارا، لیکن اس مختصر عرصہ میں تاجدار کائنات (ﷺ) نے آپؓ کی کیا ہی شان بیان کی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے- آپؓ پیدا ہوں تو آقا دو جہان (ﷺ) آپ کے کان میں اذان و اقامت پڑھیں، اپنے لعاب مبارک کی گھٹی دیں، آپؓ کے لبوں کو چومیں، آپؓ سے دل بستگی کریں، آپؓ روئیں تو رحمت اللعالمین (ﷺ) کو تکلیف پہنچے، آپؓ خوش ہوں تو آقا پاک (ﷺ) کا چہرہ مبارک متبسم ہو جائے، آپؓ کو آغوشِ رسالت (ﷺ) میں دیکھا گیا، منبر پر خطبہ دیتے زانوِ رسالت (ﷺ) پر آپ موجود، دوران نماز پشتِ رسالت (ﷺ) پر آپؓ کی موجودگی کے باعث حضور (ﷺ) سجدہ طویل کر دیں تاکہ حسنین کریمین (رضی اللہ عنہما) کی خواہش پوری ہو-سینہ رسالت (ﷺ) پر آپؓ نظر آئیں، شانۂ رسالت

(ﷺ) پر آپؓ سوار ہوں- حدیث کساء میں آپؓ کا ذکر ملے، مباہلہ میں آپؓ، جنت کے سرداروں میں آپؓ، جنت سے آپؓ دونوں بھائیوں کے جوڑے سل کر آئیں، "حسین منی وانا من الحسین" کا تاج آپؓ کے پاس- الغرض! کہ سوچ کو معراج و بلندی حاصل نہیں زبان گنگ ہے، ہاتھ لکھنے سے قاصر ہیں، قلم کانپ جاتا ہے کہ کیسے آپؓ کی شان کو اس کے مطابق بیان کیا جائے کہ جو شان آپؓ سمیت اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کی ہے-

حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے پنجابی کلام میں اہل بیت کو ایسے ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہیں:

پنجے محل پنجاں وچ چانن ڈیوا کت وَل دھریئے ھو
پنجے مہر پنجے پٹواری حاصل کت وَل بھریئے ھو
پنجے اِمام تے پنجے قبلے سجدہ کت وَل کریئے ھو
باھوؒ جے صاحب سر منگے ہرگز ڈھل نہ کریئے ھو

آپؓ نوجوانانِ جنت کے سرداران میں سے ایک ہیں جبکہ دوسری شخصیت امام حسن مجتبی (رضی اللہ عنہ) آپؓ کے بڑے بھائی ہیں- یہ بات سب خوب جانتے ہیں کہ سردار کی ذمہ داری اپنے قبیلے کی دیکھ بھال اور نشوونما کرنا ہے وہ اپنے قبیلے کا محافظ اور رہنما ہوتا ہے تو جنت میں مسلمانوں کو دیکھنے کی خواہش اور اپنے نانا کے دین کی حفاظت کی غرض سے آپؓ نے یزید ناپاک کی حکومت کے خلاف "قیام" کیا- یہاں ایک بات کرتا چلوں کہ کبھی اپنے ذہن میں لاشعور کے نہاں خانوں میں بھی اس بات کا شائبہ تک نہ آنے دینا کہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے خروج کیا، کربلا کا جہاد قیام تھا، غاصبیت کے خلاف، کفر کے خلاف، تاریکی کے خلاف، منافقت اور فسق کے خلاف، یہ دو شہزادوں کی نہیں دو سوچوں کی جنگ تھی، یہاں مسئلہ صرف حکومت کا نہیں تھا بلکہ اسلام کی زندگی کا تھا، جس کی آبیاری امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) نے اپنے، اپنے گھر والوں اور ساتھیوں کے خون سے کی اور ایسی کی اب تا قیامت اسے زوال نہیں ہوگا- بقولِ اقبالؒ:

مدعایش سلطنت بودی اگر
خود نہ کردی با چنین سامان سفر

سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا مقصد یہ نہیں تھا کہ خود سلطنت حاصل کریں- اگر وہ سلطنت کے خواہاں ہوتے تو اتنے تھوڑے ساتھیوں اور معمولی سامان کے ساتھ کیوں مکّہ معظمہ سے کوفہ کی طرف جاتے؟

آپؓ نے کربلا کو آباد کیا، اپنے قافلے کے ساتھ جو چند نفوسِ قدسیہ پر مشتمل تھا جن میں چھ ماہ کے حضرت علی اصغر (رضی اللہ عنہ) سے لے کر سن رسیدہ حبیب ابن مظاہر (رضی اللہ عنہ) اور خاندان نبوت (ﷺ) کی باپردہ و باعصمت خواتین شامل تھیں- چند دنوں کے لئے بسائی گئی اس بستی نے فکرِ انسانی اور تاریخ کے دھارے کو بدل دیا- تاریخ گواہ ہے کہ کربلا کا معرکہ ایک قافلے اور ایک لشکر کے مابین ہوا، آج چند لوگ امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) کی اسلام کی خاطر، حق و سچ کی خاطر دی ہوئی لازوال قربانی کو ملوکیت پرستی میں انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ شہزادوں کی جنگ بتانے کی کوشش کرتے ہیں- ان کے دامِ فریب میں مت آیئے گا اور یہ سوچ لیجیئے گا کہ حکومت کے حصول کی جنگ کے سپاہی چھ ماہ کے نہیں ہوتے-

کربلا عشق کی بستی ہے، کربلا حریت کی وادی ہے، کربلا استقلال کا پیغام ہے، کربلا جبر و ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی وجہ ہے، کربلا وفا کی درسگاہ ہے، کربلا شجاعت کا رستہ

ہے، کربلا شوقِ شہادت کا مدرسہ ہے، کربلا عزم کا عنوان ہے، کربلا عمل کا درس ہے، کربلا تقویٰ کی اعلیٰ مثال ہے، کربلا رہنما ہے، کربلا صبر کی اذان ہے، کربلا تسلیم کا آستان ہے، کربلا اک مکمل جہان ہے جو تا قیامت صاحبانِ فکر کے لئے حیرت اور رہنمائی کے دفتر ہا دفتر فراہم کر سکتا ہے- ایک ایک شہید کربلا کی داستان عزم و حریت کی چٹان ہے اور ان سب کے سر خیل امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) ہیں- صوفیاء نے امامِ عالی مقام (رضی اللہ عنہ) کو ایسے خراج عقیدت پیش کیا کہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ ان کے دربار پر ان کے اپنے عرس کب منعقد ہوتے ہیں زیادہ تر لوگ یہی جانتے ہیں کہ یکم محرم سے دس محرم کے درمیان صوفیاء کے عرس ہوتے ہیں- ایسی سینکڑوں خانقاہیں ہیں جہاں زائرین یکم محرم سے دس محرم کے تک عرس کی تقریب میں شرکت کے لئے آتے ہیں کیونکہ صوفیاء نے امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) کی فکر کو زندہ رکھنے کے لئے محرم کے دس دن آپؓ اور آپؓ کے رفقاء کے نام کی محافل سجائیں تا کہ آپؓ کی عظیم قربانی اور فکر سے عوام روشناس ہو سکیں- اس داستان حرم، جس کی ابتداء حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اور انتہا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) ہیں کے بیان کو صوفیاء نے اپنا شعار بنائے رکھا اور اس عظیم عمل کو اتنی محبت سے کیا کہ ان کی شناخت ہی "حسینیت" بن گئی-

امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) کی ذات مبارکہ استعارہ عشق ہے- کربلا عشق کی وہ داستان ہے کہ اس کے بعد کوئی کربلا برپا ہو نہیں سکتی- بقول اقبال:

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبر حُسینؓ بھی ہے عشق، حضرت ابراہم خلیل اللہ (علیہ السلام) نے بھڑکتی آگ کے الاؤ کو سامنے دیکھ کر بھی استقامت و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اس میں جلنے کو تیار ہو گئے جسے گل و گلزار بنا دیا گیا لیکن کربلا کے تپتی ریت پر اپنے 70 سے زائد رفقاء جن میں خاندان کے 22 افراد جن میں جوان سال فرزند جو مشابہہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ہو کو باری باری اپنی آنکھوں کے سامنے راہ خدا میں قربان کر دینا واقعی انتہاء عشق ہے-

سچّا عِشق حسینؑ علیؑ دا باھوؒ سِر دیوے رَاز نہ کھنّے ھو

☆☆☆

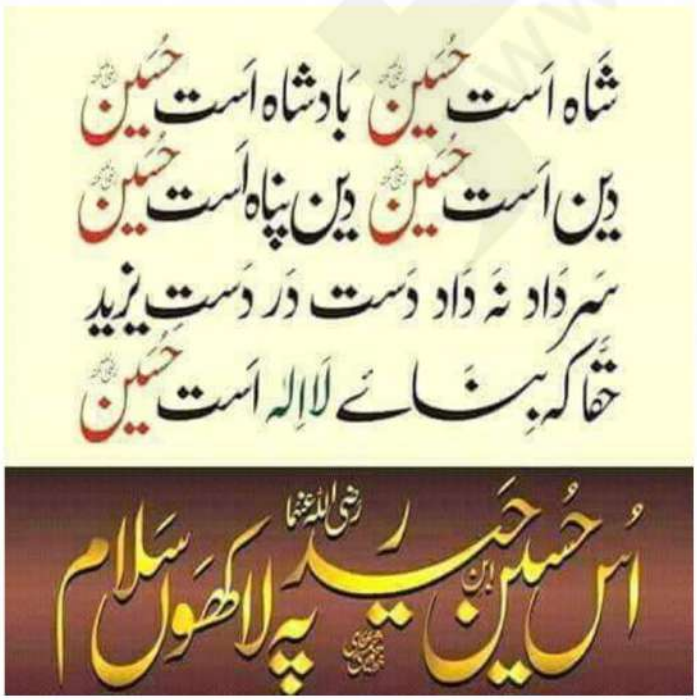

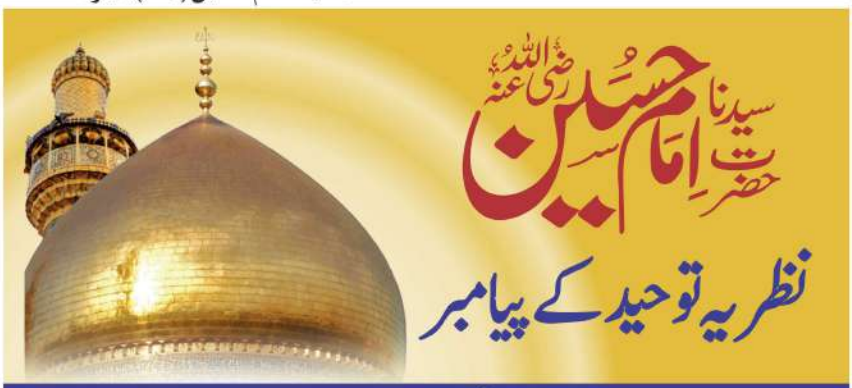

کلام اقبال کی روشنی میں ایک مختصر جائزہ

میاں محمد ضیاء الدین

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی توفیقِ خاص سے جب آدمی مُسلمان ہوتا ہے، توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ایک طرف تو یہ اللہ تعالیٰ کے معبود برحق اور اس کے وحدہ لاشریک ہونے کی گواہی ہے اور دوسری طرف مَعبودان باطلہ کے باطل ہونے کا اقرار ہے اور ساتھ باطل اور باطل پرست نظریات سے برسرپیکار ہونے کا اعلان بھی ہے۔

دراصل یہی وہ آزادی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے آگے جھکنے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ علامہ اقبال نے "رموز بے خودی" میں "در معنی حریت اسلامیہ و سر حادثہ کربلا" کے نام سے جو کربلا کا عنوان باندھا ہے اس کا آغاز ہی اسی فکر سے کیا ہے، لکھتے ہیں:

ہر کہ پیماں با ھو الموجود بست
گردنش از بند ہر معبود رست

جس شخص نے بھی زندہ و جاوید خدا تعالیٰ سے عبودیت کا رشتہ استوار کر لیا۔ یقیناً اُس کی گردن ہر معبودِ باطل کی بندش سے آزاد ہو گئی اور وہ ظالم و جابر آقاؤں کی خدائی کیلئے قیامت ثابت ہوا۔

علامہ اقبال کا کربلا کے عنوان کو ایسے فکر انگیز شعر سے آغاز کرنا، دراصل یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حکیم الامت واقعہ کربلا کے حوالے سے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو کس تناظر میں دیکھ رہے ہیں۔ یہ بہت ہی اہم بات ہے۔

ناچیز کا مشاہدہ (observation) یہ ہے کہ نباض قوم علامہ اقبال واقعہ کربلا میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو نظریہ توحید کے پیامبر کے طور پر دیکھتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ کے قانون کی بالادستی کو دیکھنا چاہتے تھے اور شریعتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ٹکرانے والی کسی بھی ظالم و جابر قوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ نظریہ توحید کے ابلاغ کیلئے ہر معبودِ باطل چاہئے وہ پتھر کی مورتی کی صورت میں ہو یا گوشت و پوست اور ہڈیوں کے مجموعے کی شکل میں ہو یا کسی کے ذہنی اور تصوراتی تخیلات کی صورت میں ہو اُس کے غلبے سے آزاد ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر نظریہ توحید کا ابلاغ ممکن نہیں کیونکہ حق بات کہنے کے لئے آدمی کا ذہنی اور فکری طور پر آزاد ہونا شرط ہے۔ آزادی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور یہ انسان کا بنیادی حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔

انسان کو اشرف المخلوقات کا شرف عطا کیا جانا، زمین میں موجود تمام اشیاء کا انسان کیلئے بنایا جانا، زمین و آسمان کی اشیاء کو انسان کیلئے مسخر کیا جانا، انسان کو عزت و تکریم والا بنایا جانا، یہ سب قرآنی شہادتیں انسان کی آزادی پر دلالت کرتی ہیں۔ جہان میں انسان کو کائنات کے سربراہ کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے لیکن اس کی سربراہی اور آزادی کو ایک غلامی کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے یعنی انسان کی حقیقی آزادی اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اُس کی سچی غلامی سے شروع ہوتی ہے کہ جب بندے کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ کا تصور جانگزیں ہو جاتا ہے تو وہ ہر باطل قوت کے خوف وڈر سے آزاد ہو جاتا ہے پھر وہ کسی ظالم و جابر کو خاطر میں نہیں لاتا۔

مرد حر کی حریت نعمتِ خداداد

علامہ اقبال "پس چہ باید کرد" میں لکھتے ہیں:

مرد حر از لا الہ روشن ضمیر
می نہ گردد بندہ سلطان و میر

"مردِ حر لا الہ سے روشن ضمیر ہے، وہ کسی بادشاہ اور امیر کا غلام نہیں ہوتا"۔

مردِ حُر اپنی روشن ضمیری کی وجہ سے ہر آنے والے فتنے کو جو ہمدردی اور خیر خواہی کے روپ میں وارد ہوتا ہے، اُسے بھانپ لیتا ہے اور اہل ایمان کو اُس کے دامِ فریب میں آنے سے بچا لیتا ہے۔ اُمت کو ایسے بھیڑیوں سے بچانے کیلئے مردِ حر کی رہنمائی کی ہر دور میں ضرورت رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ بھلا جو خود نفسانی خواہشات کے بندھنوں کا اسیر ہو، جو خواہشاتِ نفس کے ہاتھوں کھلونے کی سی حیثیت رکھتا ہو، وہ دین اور عزت کا محافظ بن سکتا ہے نہ اُمت کی باگ ڈور اُس کے حوالے کی جا سکتی ہے۔ اِسی تناظر میں حکیمُ الامت نے فرمایا ہے:

بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

اس آب و گل کے جہان میں فتنوں کو مردانِ حر کی آنکھ سے ہی پہچانا جا سکتا ہے اور ان سے بچا جا سکتا ہے اور مردِ حر ہی قوم کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

اُمت کی دستگیری کرنے والے کیلئے نصاب یہ ہے کہ وہ بارگاہِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا تربیت یافتہ ہو اور مردِ حر بنتا ہی بارگاہِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہے۔ علامہ اقبال "پس چہ باید کرد" میں لکھتے ہیں:

ما کلیسا دوست، ما مسجد فروش
او ز دست مصطفی پیمانه نوش

"ہم کلیسا کے دوست اور مسجد فروش ہیں، جبکہ وہ (مردِ حر) حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دستِ مبارک سے شرابِ (الست) پیتا ہے"۔

مرد حر محکم ز وِرد "لاتخف"
ما به میدان سر بجیب او سر بکف

"مردِ حر لاتخف کے وِرد سے قوی ہے، ہم تو میدان میں سر جھکائے آتے ہیں، لیکن وہ موت سے بے خوف سر ہتھیلی پر رکھے نکلتا ہے"۔

پای خود را آن چنان محکم نہد
نبض رہ از سوزِ او بر می جہد

"وہ اپنا پاؤں اس مضبوطی سے رکھتا ہے کہ اِس کی گرمی سے راستے کی نبض تیزی سے چلنے لگتی ہے"۔

دارد اندر سینه تکبیر امم
در جبین اوست تقدیر امم

"اُس کے سینے کے اندر قوموں کی عظمت اور سربلندی ہے اور اُس کی پیشانی پر اقوام کی تقدیر لکھی ہے"۔

علامہ اقبال "رموزِ بے خودی" میں لکھتے ہیں:

آں امام عاشقاں پور بتول
سرو آزادے ز بستانِ رسول

"وہ عاشقوں کے امام و پیشوا حضور سیدہ کائنات حضرت فاطمۃ الزہرہ (رضی اللہ عنہا) کے فرزند ارجمند جنھیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے باغ میں سرو آزاد کی حیثیت حاصل تھی"۔

عشق را آرام جان حریت است
ناقه اش را ساربان حریت است

"عشق کیلئے حریت (آزادی) آرام، سکون اور راحت کا باعث ہے اور اس کے ناقے (اونٹنی) کی ساربان حریت (آزادی) ہے"۔

علامہ اقبال "رموزِ بے خودی" میں فرماتے ہیں:

در نوای زندگی سوز از حسین
اہل حق حریت آموز از حسین

"حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے نوائے زندگی میں سوز پیدا ہوا اور اہلِ حق نے آپ سے حریّت (آزادی) کا سبق سیکھا"۔

"سرو آزادے" کی گہرائی میں اگر جایا جائے کہ وہ کن اوصاف سے متصف ہوتا ہے، کس شان کا مالک ہوتا ہے اور وہ اپنے ارادوں اور فکر میں کتنی طاقت رکھتا ہے تو حکیم الامت نے "رموزِ بے خودی" میں اس کی ترجمانی کچھ ان الفاظ میں کی ہے:

درمیانِ اُمت آں کیواں جناب
ہمچو حرفِ قُل ھُوَ اللّٰہ در کتاب

"حضرت امام عالی مقام کو اُمت میں وہی حیثیت حاصل ہے جو سورۃ اخلاص کی حیثیت قرآن مجید میں ہے"۔

پھر اسی رموزِ بے خودی میں علامہ آگے چل کر سورۃ اخلاص کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آب و تاب از سورۃ اخلاص گیر"

"سورۃ اخلاص سے چمک اور تابش حاصل کر"۔

علامہ کیا سمجھانا چاہتے ہیں کہ سورۃ اخلاص سے آب و تاب حاصل کر، اس آب و تاب سے علامہ کی کیا مراد ہے؟ دراصل علامہ سورۃ اخلاص کو مردِ حر کا نصاب قرار دیتے ہیں

اور ”آب و تاب از سورۃ اخلاص گیر“ سے علامہ کی مراد یہ ہے کہ سُورۃ اخلاص میں بیان کی گئیں صفاتِ باری تعالیٰ سے متصف ہونا لازمی ہے- کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک آدمی کثرت سے وحدت کی طرف نہیں آئے گا یعنی اپنی سوچ میں، اپنی فکر میں، اپنے خاندان سے، اپنی معاشرت سے حتی کہ ہر ایک چیز سے منقطع ہو کر فکری اور ذہنی طور پر اپنے باطن میں اُس واحد ذات کے ساتھ اس کی بندگی اور غلامی میں واحد نہیں ہو جاتا، تو وہ مرد حر نہیں بن سکتا اور نہ وہ کسی وقت کے یزید اور فرعون کو للکار سکتا ہے-

علامہ اقبال سورۃ اخلاص کے مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

رنگ او بر کن مثال او شوی
در جہان عکس جمال او شوی

”تم بھی اُسی (خدا) کا رنگ پیدا کرو، یعنی اُسی کی صفات سے متصف ہو جاؤ، اُسی کا آئینہ بن جاؤ گے اور جہان میں اُسی کے عکس جمال کا آئینہ دار ہو جاؤ گے“-

آنکہ نام تو مسلماں کردہ است
از دوئی سوئے یکی آوردہ است

”جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے وہ تجھے کثرت سے وحدت کی طرف لایا ہے، یعنی یہ تمہارے لئے پیغام ہے کہ وہ تجھے کثرت سے وحدت کی طرف لانا چاہتا ہے- تاکہ تم خالص اُسی کے بندے بن جاؤ اور اس کے دین کے ابلاغ کا سبب بن سکو“-

گر بہ اللہ الصمد دل بستہ ای
از حد اسباب بیرون جستہ ای

اگر تو نے خدائے بے نیاز سے دل وابستہ کر لیا ہے- تو سمجھ لینا چاہئے کہ تو اسباب کے دائرے سے نکل گیا ہے- اس لئے کہ خدا کا بندہ (کسی صورت میں بھی) اسباب کا بندہ نہیں ہو سکتا- اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کی صفت بے نیازی اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے، تو اسباب خود بندے کے غلام بن جاتے ہیں-

مسلم استی بی نیاز از غیر شو
اہل عالم را سراپا خیر شو

”اگر تو مسلمان ہے تو خدا کے سوا ہر شئے سے بے نیاز ہو جا یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت بے نیازی سے متصف ہو جا اور دنیا کے لئے خیر و برکت کا سرچشمہ بن جا“-

رشتۂ ئی با لم یکن باید قوی
تا تو در اقوام بے ہمتا شوی

”خدا کی اس صفت سے رشتہ مستحکم کر لینا چاہئے جو لم یکن لہ کفوا احد میں بیان ہوئی ہے- یعنی اس کے برابر کوئی نہیں- جب یہ رشتہ مستحکم ہو جائے گا تو دنیا کی قوموں میں بے مثال بن جائے گا“-

آنکہ ذاتش واحد است و لا شریک
بندہ اش ہم در نہ سازد با شریک

”وہ پاک ذات ہے جو اکیلی ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں، اس کا بندہ بھی کوئی شریک (یعنی باطل کا مدمقابل ہونا) گوارا نہیں کر سکتا“-

مؤمن بالای ہر بالا تری
غیرتِ او برنتابد ہم سری

”مومن ہر بلند تر سے بلند ہے- اس کی غیرت کسی ہمسر (یعنی باطل مدمقابل) کو برداشت نہیں کر سکتی“-

خرقۂ ”لا تحزنوا“ اندر برش
”انتم الاعلون“ تاجے بر سرش

”وہ لا تحزنوا (یعنی غم نہ کھاؤ) کا خرقہ پہنے ہوتا ہے یعنی اسے کسی چیز کا غم نہیں ہوتا اور انتم الاعلون (یعنی تم ہی غالب آؤ گے) کا تاج اس کے سر پر ہوتا ہے“-

در فضای این جہان ہای و ہو
نغمہ پیدا نیست جز تکبیر او

”ہائے وہو کے اس جہان کی فضا میں مومن کی تکبیر کے سوا کوئی نغمہ پیدا نہیں ہو سکتا“-

در گرہ صد شعلہ دارد اخگرش
زندگی گیرد کمال از جوہرش

”اس کے انگارے کی گرہ میں سینکڑوں شعلے ہیں اور زندگی کو اسی کے جوہر سے درجہ کمال حاصل ہوتا ہے“-

علامہ اقبال ”پس چہ باید کرد“ میں لکھتے ہیں:

مردے آزادے چو آید در سجود
در طوافش گرم رو چرخ کبود

”جب کوئی آزاد مرد سجدے میں گرتا ہے تو یہ نیلا آسمان اس کے طواف میں گرم ہو جاتا ہے“-

در نداری خونِ گرم اندر بدن
سجدہ تو نیست جز رسم کہن

”اور اگر تو اپنے جسم میں خون گرم نہیں رکھتا تو پھر تیرا سجدہ محض ایک پرانی رسم کے اور کچھ نہیں“-

میراثِ مسلمانی کیا ہے؟

مسلمان قوم کی میراث دراصل سرمایہ شبیری ہے اور سرمایہ شبیری یہ ہے پہلے خود کو اللہ کیلئے خالص کر لینا بعد ازاں نظریہ توحید کے ابلاغ کیلئے خود کو میدان کارزار میں اتار دینا تاکہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے قانون کی بالادستی ہو جائے- پھر ساری زندگی اُسی کی ترجمانی و محافظت کرتے رہنا، اسی کیلئے لڑنا اسی کیلئے جینا، یہی حسینیت ہے اور یہ یہی سرمایہ شبیری ہے- علامہ اقبال حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی حقانیت وصداقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مدعایش سلطنت بودی اگر
خود نہ کردی با چنین سامانِ سفر

"اگر ان کا مقصود سلطنت حاصل کرنا ہوتا تو اتنے تھوڑے ساز وسامان کے ساتھ سفر اختیار نہ کرتے"-

تیغ بہر عزت دین است و بس
مقصد او حفظ آئین است و بس

"تلوار صرف عزتِ دین کے لیے ہے اس کا مقصد صرف شریعت کی حفاظت ہے"-

علامہ اقبال اسرار خودی میں لکھتے ہیں:

بہر حق در خاک و خون غلتیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است

"سیدنا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) حق کی خاطر خاک و خون میں لوٹے اس لیے وہ لا الہ کی بنیاد بن گئے"-

تیغِ لا چون از میان بیرون کشید
از رگ ارباب باطل خون کشید

"جب آپ نے "لا" کی تلوار میان سے باہر نکالی تو اہلِ باطل کی رگوں سے خون نچوڑ لیا"-

نقش الا اللّٰہ بر صحرا نوشت
سطر عنوان نجات ما نوشت

"انہوں نے صحرا کی سرزمین پر "الا اللہ" کا نقش رقم کیا؛ اور ان کی لکھی ہوئی سطر ہماری نجات کا عنوان بنی"-

یہی وجہ تھی حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں دین مبین کی قوت قرار دیا ہے علامہ اسرار خودی میں لکھتے ہیں:

قوت دین مبین فرمودہ اش
کائنات آئین پذیر از دودہ اش

"حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں دین مبین کی قوّت فرمایا ہے ان کے خاندان سے کائنات کو قانون ملا ہے"-

یہی قوت و آئین سرمایہ شبیری ہے اور مسلمان قوم کی میراث ہے- اسی کی حفاظت کرنا ہمارے اوپر لازم ہے-

خلاصہ کلام:

حضرت علامہ اقبال "پس چہ باید کرد" میں لکھتے ہیں:

آنکہ زیر تیغ گوید لا الہ
آنکہ از خونش بروید لا الہ

"(ایسا مسلمان چاہئے) جو تلوار کے نیچے بھی لا الہ کہے، جس کے خون سے لا الہ کی فصل اُگے"-

یعنی ایسے مرد مومن کی ہر دور میں ضرورت رہی ہے اور رہے گی کیونکہ ایسا ہی مرد حر نظریہ توحید کا پیامبر ہوتا ہے-

علامہ اقبال "زبور عجم" میں لکھتے ہیں:

ریگ عراق منتظر، کشت حجاز تشنہ کام
خون حسین باز دہ کوفہ و شام خویش را

"عراق کی ریت انتظار کر رہی ہے اور حجاز (مکہ و مدینہ) کے کھیت پیاسے ہیں، کوفہ و شام کو پھر سے خونِ حسین کی ضرورت ہے، یعنی حق کی آواز بلند کرنے والے کی ضرورت ہے"-

علامہ کہتے ہیں کہ واقعۂ کربلا کے بعد یہ قانون بنا دیا گیا ہے کہ کھیت کو خون حسین سے سینچے بغیر کھیت سے حاصل نہیں لے سکتے- علامہ ارمغان حجاز میں لکھتے ہیں:

از آن کشت خرابی حاصلی نیست
کہ آب از خون شبیری ندارد

"اس ویران کھیت سے کچھ حاصل نہیں ہوگا جس کو خون شبیر سے نہ سینچا گیا ہو"-

آیئے! صاحبزادہ سلطان محمد علی صاحب کے قافلے کا سنگ بنئے تاکہ اپنے ایمان و ایقان کے کھیتوں کو خون شبیر سے سینچنے کا سلیقہ سیکھئے اور وقت کے فرعونوں اور یزیدوں کے سامنے حرفِ کلیمی اور حرفِ حسینی کے انداز میں بات کرنا سیکھئے اور دورِ حاضر کے فتنوں کی شناخت پا کر ان سے بچنا سیکھئے- کیونکہ اگر فتنے لباسِ رہزن میں آتے تو پہچان آسان ہوتی، لیکن فتنہ ہمیشہ خیر خواہی اور ہمدردی کے روپ میں آتا ہے، اِس لئے اِس کو پہچاننا ہر کسی کے بس کا کام نہیں ہے- اس لئے ان فتنوں سے بچنے کیلئے "کونوا مع الصادقین" کا حکم دیا گیا ہے- تاکہ حق اور باطل میں تمیز کرنے کے قابل ہو جائیں-

☆☆☆

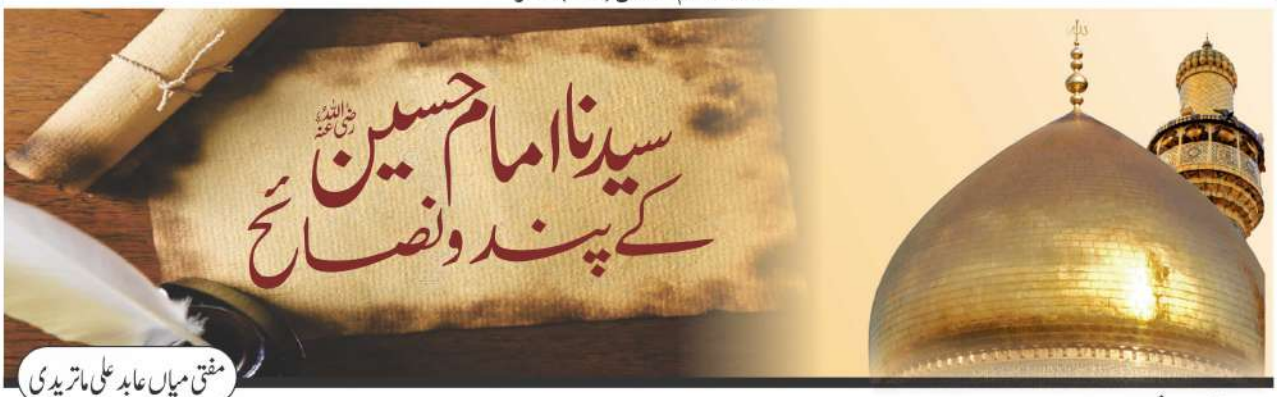

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پند و نصائح

مفتی میاں عابد علی ماتریدی

کسی شخص کو نصیحت کرنا یا اسے کوئی اچھی بات بتانا گویا کہ اس شخص پر احسان کرنا ہے- قرآن پاک میں کئی مقامات پر پند و نصائح کو ذکر کیا گیا ہے جس سے اس کی اہمیت و افادیت کا پتا چلتا ہے- نصیحت کی ضرورت و اہمیت کے پیشِ نظر ہمارے اکابرین نے بھی لوگوں کو بھلائی کی غرض سے بہترین نصیحتیں فرمائی ہیں- ان برگزیدہ ہستیوں میں سے آج ہم اس عظیم ہستی کے پند و نصائح سے اپنی دنیا و آخرت کی راہوں کو روشن کریں گے جن کو شہید کربلا سیدنا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے- کیونکہ ایک پہلو سے "حسینیت" جس طرح امام عالی مقام حضور سید الشہداء (رضی اللہ عنہ) کی طرح باطل کے خلاف سینہ سپر ہونا ہے، دوسرے پہلو میں "حسینیت" کا علمبردار ہونے کا یہ ضروری تقاضا ہے کہ "حسین (رضی اللہ عنہ)" کی تعلیمات و فرمودات کی جھلک کردار سے بھی جھلکتی ہو-

اب یہاں سیدنا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے چند پند و نصائح کو ذکر کیا جا رہا ہے جو آپؓ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمائے ہیں-

اخلاق حسنہ:

"اے لوگو! اچھے اَخلاق میں رغبت کرو اور نیک اعمال میں جلدی کرو جس کام کو کرنے میں تم نے جلدی نہ کی ہو اسے شمار مت کرو"-

اس نصیحت میں ہمیں اچھے اخلاق اپنانے اور نیک اعمال کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے کیونکہ خوش اخلاقی انسان کے لئے ایک ایسا سرمایہ ہے جو دنیا و آخرت میں کامیابی کا ضامن ہے- اگر آج دنیا سے خوش اخلاقی ختم ہو جائے تو انسانوں اور درندوں میں کوئی فرق نہ رہے، انسان نام ہے انسانیت کا اور انسانیت خوش اخلاقی کو کہتے ہیں اور خوش اخلاقی خندہ پیشانی اور اچھے برتاؤ کا دوسرا نام ہے- خوش اخلاقی انسان کی فطرت میں ایک ایسی شیرینی اور مٹھاس پیدا کر دیتی ہے کہ اس کا ہر قول و فعل خوشگوار معلوم ہوتا ہے اس لئے خوش اخلاق انسان کا وجود انسانی سماج کے لئے اس شہد کی طرح ہوتا ہے جو زندگی کی تلخیوں کو اپنے اثر سے خود شہد بنا دیتا ہے-

نعمت پر شکر:

"جس نے کسی پر احسان کیا ہو اور وہ شکر گزار نہ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے بدلہ عطا فرمائے گا- پس بے شک وہ عطا کرنے اور بدلہ دینے میں بڑا عظیم ہے"-[1]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے- اگر انسان ان تمام نعمتوں کو شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کر سکتا- خالق کائنات کی نعمتوں پر اُس کا شکر ادا کرنا ہم پر فرض ہے اور اُس حق کی ادائیگی خدا کو پسند ہے جبکہ ناشکری اُسے ناپسند ہے- ناشکری کا عقلی اعتبار سے مذموم اور شکر کا محبوب ہونا یوں واضح ہے کہ ہر انسان سمجھتا ہے کہ محسن کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور یہ ہر انسان کی فطرت میں ہے اسی لئے اگر کوئی اپنے محسن کی ناشکری کرے تو اُسے مذموم سمجھا جاتا ہے- اِسی لئے دنیا میں جب کوئی کسی پر احسان کرتا ہے تو ہر مذہب و ملت اور علاقہ و قوم والا اپنی تہذیب و روایات کے مطابق

[1] (التذکرۃ الحمدونیۃ، ج:1 ص:102، رقم الحدیث:186)

مختلف الفاظ و اعمال کی صورت میں دوسرے کا شکریہ ادا کرتا ہے- لوگوں کے احسانات پر اُن کا شکریہ ادا کرنا شریعت کو بھی پسند ہے-

حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"جس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اسے چاہیے کہ اسے یاد رکھے کیونکہ جس نے احسان کو یاد رکھا گویا اس نے اس کا شکر ادا کیا اور جس نے اسے چھپایا بے شک اس نے ناشکری کی"-[2]

سخاوت اور عفو:

سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا قول مبارک ہے:

"لوگوں میں سب سے بڑا سخی وہ شخص ہوتا ہے جو اس شخص پر سخاوت کرے جسے اُس کی امید نہ ہو اور لوگوں میں زیادہ پاک دامن بہادر وہ شخص ہے جو قدرت و اختیار ہونے کے باوجود معاف کر دے"-

اسلام ہمیشہ ہمیں پیار سے بات کرنے اور آپس میں ایک رہنے کا درس دیتا ہے عفو و درگزر انسانی زندگی کا وہ حسن ہے جو انسان کے کردار میں وسعت و نکھار پیدا کرتا ہے- دوسروں کا قصور اور ان کی غلطیاں معاف کر دینا یہ خدا کی صفت ہے بس یہی صفت خدا اپنے بندوں میں بھی دیکھنا چاہتا ہے- عفو و درگزر ایک ایسا وصف ہے کہ جس کی وجہ سے دشمنی دوستی میں بدل جاتی ہے- معافی کی صفت اپنانے سے انسان خود بھی پرسکون، چین و اطمینان میں رہتا ہے اور معاشرے میں بھی ایک دوسرے کو معاف کر دینے کا رجحان پروان چڑھتا ہے- جو طاقت رکھنے کے باوجود لوگوں کی زیادتیوں اور مظالم کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے-

رضائے الٰہی اور صلہ رحمی:

"جو شخص اپنے بھائی پر احسان کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہے اللہ تعالیٰ مشکل کے وقت اس بھلائی کا بدلہ دیتا ہے اور اس سے سخت مصیبت ٹال دیتا ہے اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والا شخص وہ ہے جو قطع تعلق کرنے والے رشتہ داروں کو آپس میں ملائے"-

اسلام جہاں معاشرے کو گناہوں سے بچانے کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وسیع نظام دیتا ہے، وہاں خاندانوں اور ان کی عمدہ روایات کو تحفظ دینے کے لیے صلہ رحمی کے اُصول کو لازم قرار دیتا ہے- صلہ رحمی وہ عظیم اصول ہے جس پر پوری زندگی کی عمارت استوار ہوتی ہے- صلہ رحمی اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنا، ایک دوسرے کے دکھ، درد، خوشی اور غمی میں شریک ہونا، ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے کو کہتے ہیں- قرآن و حدیث میں رشتوں کا پاس رکھنے اور رشتے جوڑے رکھنے کی تلقین بار بار کی گئی ہے جو لوگ صلہ رحمی کرتے ہیں ان کیلئے باغات، اچھا اختتام اور سلامتی کی خوشخبری ہے اور جو رشتوں کو توڑتے ہیں، قطع رحمی کرتے ہیں ان کیلئے دنیا اور آخرت دونوں میں رسوائی ہے- رشتہ ناتا کو توڑنا اور رشتہ داری کا لحاظ نہ کرنا اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے-

دنیاوی مصیبت کو دور کرنا:

"جس شخص نے اپنے بھائی سے کوئی دنیاوی مصیبت دور کی اللہ تعالیٰ اس سے اُخروی مصائب دور کرتا ہے اور جو کسی پر احسان کرے اللہ تعالیٰ اس پر احسان کرتا ہے اور احسان کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے"-[3]

اسلام ہر معاملے میں احسان کو اپنانے کا حکم دیتا ہے احسان دین اسلام کی بنیادوں میں سے ہے- تمام تر حالات اور معاملات میں احسان اختیار کرنے کا حکم ہے- کسی حاجت مند کی ضرورت کو پورا کرنا بھی احسان ہے، کسی روتے کو ہنسا دینا، کسی غم زدہ کی دلجوئی کرنا بھی حسن سلوک میں آتا ہے جو احسان اور بھلائی کا باعث ہے- کسی کی زیادتی کو برداشت کرنا

[2] (معجم کبیر، ج:1، ص:115، رقم الحدیث:211)

[3] (نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار، ص:278-279)

اور پھر بدلے کی طاقت کے باوجود اسے معاف کر دینا احسان کی سب سے عظیم صورت ہے- احسان کرنے والے ہی اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرفراز ہوتے ہیں- اگر اہلِ بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کی مبارک سیرتوں میں جھانکیں تو وہ زمین پہ ان تعلیمات کی عملی تفسیر نظر آتے ہیں-

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر حضرت سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے کسی نے دریافت کہ آپؓ نے اپنے نانا جان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جو بات سنی ہو اس میں سے کچھ بتایئے تو آپؓ نے فرمایا کہ:

"میں نے حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ کام اور اہم اُمور کو پسند فرماتا ہے جب کہ معمولی، گھٹیا اور بے مقصد کاموں کو ناپسند کرتا ہے- میں نے یہ بھی سنا کہ آپ فرمارہے ہیں جو اللہ کا اطاعت گزار بندہ بن جاتا ہے اللہ اس کو سربلندی عطا کر دیتا ہے اور جو نافرمانی پر ڈٹا رہتا ہے اسے پست کر دیتا ہے- جو اللہ کیلئے خلوصِ نیت اختیار کرتا ہے اللہ اسے تروتازہ رکھتا ہے- جو اللہ کی رزاقیت پر بھروسہ رکھتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور جو اللہ پر تکبر و غرور دکھاتا ہے ذلت و خواری اس کا مقدر بن جاتی ہے"-[4]

اسی طرح سبل الھدیٰ والرشاد میں موجود سیدنا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے پند و نصائح کو یہاں ذکر کیا جارہا ہے-

ضرورت مند کی حاجت روائی کرنا:

"جان لیں کہ ضرورت مند لوگوں کا تمہارے پاس کوئی حاجت لے کر آنا بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے لہٰذا تم نعمتوں سے اکتانہ جانا کہیں وہ زحمت نہ بن جائیں"-

اسلام میں حقوق العباد کی اہمیت کو حقوق اللہ کی اہمیت سے بڑھ کر بیان کیا گیا ہے- دراصل غریبوں، محتاجوں، یتیموں، ضرورت مندوں اور لاچاروں کی مدد، معاونت، حاجت روائی اور دلجوئی کرنا دین اسلام کا بنیادی درس ہے- اہلِ بیت کی زندگیوں کا خلاصہ ہے کہ دوسروں کی خیر خواہی اور مدد کرکے حقیقی خوشی اور راحت حاصل کرو، یہ رضائے الٰہی کا باعث ہے- حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی نہ صرف حاجت مندوں کی حاجت روائی کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ عملی طور پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خود بھی ہمیشہ غریبوں، یتیموں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے تھے-

سخاوت کا اجر:

"یاد رکھیں اے لوگو! جس شخص نے سخاوت کی وہ سردار بن گیا اور جس نے بخل سے کام لیا پھر وہ ذلیل و رسوا ہو گیا"-

سخاوت کرنے والا وصف ہمارے اسلاف میں ہوا کرتا تھا کیونکہ ہمارے دین، دینِ اسلام نے ہمیں صدقہ و خیرات اور سخاوت کرنے کا درس دیا ہے- سخاوت، بخل اور تنگی کی ضد ہے- بخل میں خرچ کرنے کو دل نہیں کرتا اور خرچ کرنا تکلیف اور اذیت کا سبب بنتا ہے- بخل ایک ایسی باطنی بیماری ہے جو انسان میں موجود کچھ غلط نظریات کی وجہ سے پروان چڑھتی ہے کہ یہ مال، علم اور نعمت میری ہے اس پر صرف اور صرف میرا حق ہے- جن لوگوں میں سخاوت کا جذبہ پایا جاتا ہے، وہ سب سے زیادہ مطمئن اور خوشحال ہوتے ہیں اور جو لوگ اللہ کی راہ میں اُس کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں وہ اُس کی بارگاہ میں محبوب اور مقبول ہوتے ہیں- زندگی میں اگر بہترین خوشحالی چاہتے ہیں تو دینا سیکھیں-

لوگوں کے ساتھ بھلائی کریں:

"اور جو شخص اپنے بھائی کے ساتھ بھلائی کرنے میں جلدی کرے گا کل (قیامت کے دن) جب اس کے اعمال پیش ہوں گے تو وہ اس میں یہ عمل بھی موجود پائے گا"-[5]

[4] (تاریخ یعقوبی، ص:207)

[5] (سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ج:11، ص:78)

بخل کرنا کیسا ہے؟

حضور سید الشہداء (رضی اللہ عنہ) کا فرمان ہے:

"سارے کا سارا مال دنیا میں ہی چھوڑ کر جانا ہے تو پھر انسان اس مال میں اتنا بخل کیوں کرتا ہے؟"

بخل کنجوسی کرنے کو کہتے ہیں اور جہاں خرچ کرنا ضروری ہو وہاں خرچ نہ کرنا بھی بخل ہے۔ بخل ایک نہایت ہی قبیح اور مذموم فعل ہے۔ بخل کرنے والا حرص جیسی خطرناک باطنی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے اور اُس پر مال جمع کرنے کی دُھن سوار ہو جاتی ہے۔ اُس کے لیے وہ جائز اور ناجائز تک کی پرواکرنا چھوڑ دیتا ہے۔ بخیل شخص کے دل میں ہر وقت مال کی محبت، لمبی امیدیں، تنگدستی کا خوف اور نفس کی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے۔ بخیل انسان اللہ کے ہاں ناپسندیدہ شخص ہے اس لیے ہر مسلمان کا اس سے بچنا لازم ہے۔

رزق کے حصول کے لیے محنت:

"اگرچہ رزق تقدیر میں تقسیم ہو چکا ہے لیکن کسب میں انسان کا حرص نہ کرنا اچھا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے کمائی کے لئے جد و جہد اور محنت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام محنت اور محنت کشی کو سراہتے ہوئے محنت کشوں اور مزدوروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ "اکل حلال" اسلامی ضابطۂ حیات کی بنیاد ہے اور کسب معاش اس کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ رزق حلال کمانے کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"فرائض کے بعد، حلال روزی کمانا فرض ہے"۔[6]

معلوم ہوا کہ انسانی ضروریات پوری کرنے کیلئے حلال روزی کمانے کا حکم شرعی ہے اور جو ہمارے مقدر میں لکھا ہے وہ تقدیرِ الٰہی ہے اور تقدیر علمِ الٰہی کا نام ہے لیکن ہم تقدیر کے مکلف نہیں بلکہ احکام شرع کے پابند ہیں۔ لہٰذا ہمیں تمام امور اپنے اپنے وقت پر محنت و خلوص اور منصوبہ بندی کے ساتھ سر انجام دینے کا حکم ہے، پھر جو بھی مل جائے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا:

حضرت امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

"جب زمانہ تجھے تکلیف دے تو تُو مخلوق کی طرف مائل نہ ہو اللہ کے سوا کسی سے سوال مت کر جو سارے جہاں کی فریاد سنتا ہے"۔[7]

مخلوق کی طرف سے جب بھی کوئی تکلیف یا پریشانی پہنچے تو ہمیں اپنے ہر معاملے اور ہر حاجت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنا چاہیئے۔ اللہ پاک کی رحمت کا دروازہ ہر وقت اپنے بندوں کے لئے کُھلا ہوا ہے بس دوری اور کوتاہی ہماری طرف سے ہے۔

خلاصہ کلام:

وعظ و نصیحت کی اہمیت و افادیت ایک مسلمہ حقیقت ہے، ہر دور میں اس کی ضرورت پیش آئی ہے۔ آج تقریباً 1400 برس گزرنے کے باوجود سیدنا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا پیغام اور فلسفہ حق و صداقت دین اسلام کی سربلندی کا روشن باب ہے۔ آپؓ کے اقوال و ارشادات آپؓ کے علمی ذوق اور اخلاق مبارکہ کی بہترین عکاسی کرتے ہیں جسے دور جدید کے ہر نوجوان کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

[6] (بیہقی، السنن الکبری، ج:6، ص:128، رقم الحدیث:11475)

[7] (نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار، ص:279)

مستشرقین اور واقعہ کربلا کا سیاسی تجزیہ

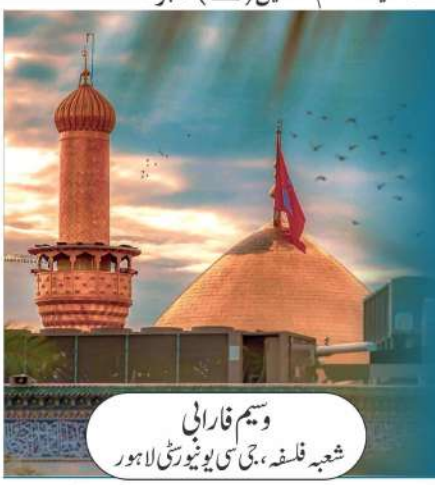

وسیم فارابی
شعبہ فلسفہ، جی سی یونیورسٹی لاہور

مستشرقیت (Orientalism) 18 ویں اور 19 ویں صدی کا مغربی (Western) علمی و تحقیقی نظام تھا جس میں ایشیائی معاشروں بالخصوص مشرقِ وسطیٰ (Middle East) اور برِ صغیر کے زبان، ادب، مذہب، فلسفہ، تاریخ، آرٹ اور قوانین کا مغربی محققین کی طرف سے مطالعہ کیا گیا- ان محققین کو آج مستشرقین / استشراقی مفکرین (Orientalists Scholars) کا نام دیا جاتا ہے- اس تحقیق میں یورپ کے کئی ملکوں سے محققین نے حصہ لیا جن میں برطانیہ، فرانس اور جرمنی کے نام بہت نمایاں ہیں- موجودہ مفکرین کے مطابق، ان کی اس تحقیق کا مقصد مشرقی معاشروں کے طور طریقوں کو سمجھ کر ان کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنا تھا جسکی بہترین مثال یورپی نو آبادیاتی نظام ہے جس میں یورپی ممالک نے نہ صرف ایشیاء بلکہ افریقہ اور امریکہ کی قوموں پر غاصبانہ قبضہ جمایا اور ان قوموں پر طرح طرح کے ظلم ڈھا کر ان کے وسائل کو اپنے مفاد کیلئے استعمال کیا-

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں مسلمانوں میں ایک تو عقیدت کا پہلو پایا جاتا ہے اور دوسرا تاریخ میں نقطہ نظر کے اختلاف کا پہلو پایا جاتا ہے - استشراقی مفکرین کو پہلے نقطہ نظر سے تو غرض اتنی نہیں ہے البتہ فرقہ وارانہ پہلو پہ مسلم دنیا کے مطالعے میں اس واقعہ کو کئی جگہ بیان کرتے ہیں- ان میں سے اکثر نے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے سیاسی تدبر کو بہت سراہا ہے خاص کر ان کی اپنے نظریے پہ یہاں تک استقامت کہ سب کچھ قربان کر دیا مگر پیچھے نہیں ہٹے، اس پہلو سے غیر مسلم ہو کر بھی مستشرقین آپ کے بہت معترف ہیں- ان کی سبھی آراء تو اس مختصر مضمون میں شامل نہ کی جا سکیں گی اس لئے مختصر مطالعہ ہی ہو گا-

اکثریت مستشرقین کی رائے کے مطابق حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) حق پر تھے اور انہوں نے آپ کے ساتھ کیے گئے ظلم کی شدید مذمت بھی کی-

مارِبن: (Marbin)

مارِبن جرمنی کے استشراقی ماہر تھے - وہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حسین بن علی (رضی اللہ عنہما)، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نواسے، جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیاری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے پیدا ہوئے تھے، وہ واحد شخص ہیں جو غیر منصف اور ظالم حکومت کے خلاف کھڑے رہے- وہ اخلاقیات اور خصوصیات جو عرب میں پسند کی جاتی تھیں اور احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، وہ علیؓ کے بیٹے میں دیکھی گئی تھیں- حسینؓ کو اپنے والد سے ہمت اور بہادری وراثت میں ملی تھی، انہیں اسلام کے احکام اور اصولوں پر مکمل عبور حاصل تھا، وہ اپنی فراخدلی اور سخاوت میں بے مثال تھے، وہ تقریر اور کلام کرنے میں عظیم تھے اور انہوں نے اپنے بیانات سے ہر جگہ مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کیا- حسین کی خوبیوں پر بہت سی کتابیں مسلمانوں کی طرف سے لکھی گئی ہیں اور ان کے اچھے کاموں کے بارے میں بات کی گئی ہے- جس مسئلے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا وہ یہ ہے کہ حسین پہلے سیاست دان تھے جنہوں نے ایک مؤثر سیاسی پالیسی اختیار کی تھی- اس بات کو ثابت کرنے کے لیے ہمیں اسلام سے پہلے کی تاریخ پر توجہ دینی چاہیے - بنو امیہ اور بنی ہاشم دو قبیلے تھے جن کا ایک دوسرے سے تعلق تھا، کیونکہ امیہ اور ہاشم عبد مناف کے بیٹے تھے اور اسلام سے پہلے ان کے درمیان دشمنی تھی- وہ اکثر ایک دوسرے سے جھگڑتے تھے - دولت

اور قیادت کے لحاظ سے بنو امیہ اور عُلوم اور روحانیت کے لحاظ سے بنو ہاشم مشہور تھے- اسلام کے آغاز میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رنجش اس وقت بڑھ گئی جب محمد (ﷺ) نے مکہ فتح کر لیا اور اس طرح بنو ہاشم کو برتری حاصل ہو گئی اور بنو امیہ کو بنو ہاشم کی اطاعت کرنی پڑی- اور (کربلا میں) انہوں (بنو امیہ) نے بنو ہاشم سے بدلہ لینے کی کوشش کی"-[1]

کَرٹ فِشلر: (Kurt Frischler)

کِرٹ فِشلر جرمنی استشراقی ماہر تھے جنہوں نے "Hussain (RA) and Iran" کے نام سے اپنی کتاب میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی زندگی کے حالات اور کربلا کے واقعہ پر بات کی ہے- ان کے نزدیک، حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا عظیم قربانی کا فیصلہ کسی جلد بازی کا نتیجہ تھا نہ ہی یکدم بے سوچے سمجھے تھا اور نہ ہی یہ ان کے وہم کا نتیجہ تھا- وہ اس عظیم قربانی کیلئے اس لیے پُر عزم تھے تاکہ وہ اپنے عقائد اور بلند نظریات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہ ہوں-[2]

اینے مَری شِمل: (Annemarie Schimmel)

اینے مَری شِمل جرمنی سے تعلق رکھنے والی استشراقی ماہر تھیں جنہوں نے اسلام بالخصوص تصوف پر بہت کچھ لکھا ہے- وہ ایک مقام پر لکھتی ہیں:

"(یزید کی) ظالمانہ حکومت کے خلاف حسین کی جدوجہد کو مذہبی تحریروں، ادب اور لوگوں کے مذہبی عقیدوں میں عوام کی آزادی اور (ظالم) حکمرانوں کے ہاتھوں سے رہائی کی خواہش کا اظہار قرار دیا گیا ہے - جسے بعد کے دور میں غیر ملکی نو آبادیاتی حکومتوں کے مسلمانوں پر ظلم کی صورت میں دیکھا گیا ہے"-

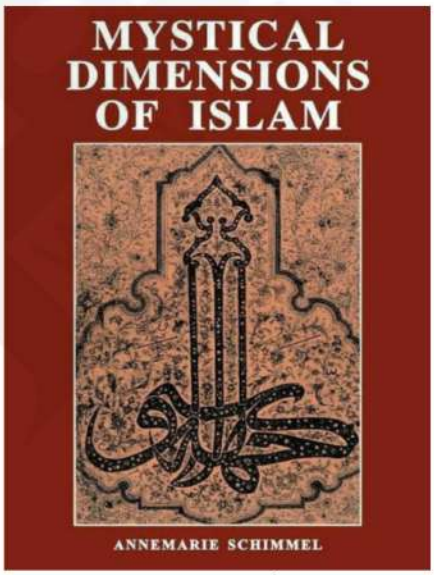

وہ اپنی کتاب Mystical Dimensions of Islam میں یزید کو مسلمانوں کی لعنت کے لائق بھی سمجھتی ہیں اور اسے کربلا کی تباہی کا ذمہ دار ٹھہراتی ہیں-

"دوسرا اموی حکمران جو 680ء میں کربلا کے واقعہ کا ذمہ دار تھا، جس میں نبی (ﷺ) کے نواسے کو ان کے خاندان کے افراد کے ساتھ شہید کیا گیا تھا اور اس کے بعد سے، اس کا نام تمام سچے مسلمانوں کے لیے لعنت کا موضوع بن گیا"-

روبرٹ ڈیورے اوسبرن (Robert Durey Osborn):

روبرٹ ڈیورے اوسبرن ایک برطانوی فوجی افسر تھے جو برِ صغیر میں پیدا ہوئے اور یہیں وفات پائی- وہ اپنی کتاب "Islam Under the Arabs" میں لکھتے ہیں:

"پیاس سے نڈھال اور زخموں سے چور حسینؓ اپنے کئی مخالفین کو مارتے ہوئے، انتہائی ہمت کے ساتھ لڑے- آخر کار ان پر پیچھے سے وار کیا گیا اور اسی لمحے ان کی پیٹھ کی طرف ایک بھالا پھینکا گیا اور انہیں زمین پر پھینک دیا گیا- جب اس آخری وار کرنے والے نے اپنا ہتھیار کھینچ لیا تو علی کا بیٹا (نیچے پڑی) ایک لاش پر جا گرا- ان کے سر کو دھڑ سے کاٹ دیا گیا تھا اور دھڑ کو فاتح گھوڑوں کے سُموں کے نیچے پامال کیا گیا اور اگلی صبح زندہ بچ جانے والی خواتین اور ایک ننھے بچے کو کوفہ لے جایا گیا- حسینؓ اور اس کے پیروکاروں کی لاشیں اس جگہ پر بغیر دفن کیے چھوڑ دی گئیں جہاں وہ گرے تھے"-[3]

وہ واقعہ کربلا پر اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بڑی تقسیم اب مکمل ہو چکی تھی- شہیدوں کا خون ایک نئی تحریک کا بیج بن گیا- اسلام کے بدن کو ایسے بکھیر دیا گیا جو پھر کبھی متحد نہیں ہوا اور "قتل شدہ حسین" اب انتقام کا ایک چوکیدار لفظ تھا جس نے

[1] Analysis and criticism of the researches of German orientalists about the Ashura movement of Imam Hussein (peace be upon him) by Bagher Riahimehr. https://jcis.ut.ac.ir/article_96677.html

[2] I.b.i.d.

[3] Islam under the Arabs by Robert Durey Osborn, p:126

بار بار (اموی) خلفاء کی حکومتوں کو خون سے بھر دیا اور بالآخر انہیں تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا"۔[4]

ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon):

ایڈورڈ گبن ایک برطانوی تاریخ دان تھا جو کہ اپنی مشہور کتاب "The History of the Decline and Fall of the Roman Empire" کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کو یوں بیان کرتے ہیں:

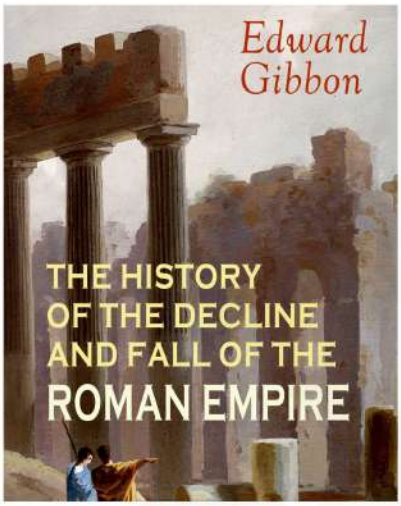

"بے غیرت شمر، ایک ایسا نام جس سے مسلمان نفرت کرتے ہیں، نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نواسے کو بھالے اور تلواروں کے 33 واروں سے قتل کر دیا۔ جب انہوں نے اُن کے جسم کو پامال کر لیا تو ان کا سر لے کر کوفے کے قلعے میں گئے اور ظالم عبید اللہ نے ان کے منہ پر لاٹھی سے مارا۔ تو ایک ایک بوڑھے مسلمان نے کہا! افسوس! میں نے ان ہونٹوں پر اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہونٹ دیکھے ہیں! صدیوں تک حسینؓ کی موت کا المناک منظر بے رحم اور سفاک لوگوں میں بھی رحم اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرے گا"۔[5]

رینالڈ الین نکلسن (R A Nicholson):

رینالڈ الین نکلسن برطانوی استشراقی ماہر تھے جو کہ اسلامی ادب، تصوف اور بالخصوص مولانا رومی پر اپنی ماہریت کی وجہ سے پہچانے جاتے تھے۔ ان کی دوسری مشہوری کی وجہ یہ ہے کہ وہ علامہ اقبال کے فلسفے کے استاد تھے۔ لیکن وہ اس جدوجہد میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو حق بجانب مانتے ہیں۔ وہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت سے متعلق لکھتے ہیں:

"غیر مساوی جدوجہد جلد ہی ختم ہو گئی۔ حسین ایک تیر سے شہید ہو گیا اور اس کے بہادر پیروکار اس کے بغل میں آخری آدمی تک لڑتے ہوئے کاٹ دیئے گئے۔ اسلامی روایت، جو غیر معمولی امتیاز کے علاوہ اموی خاندان کے خلاف یکساں طور پر مخالف ہے، حسینؓ کو شہید اور یزید کو اس کا قاتل مانتی ہے"۔[6]

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی جدوجہد پر اپنی رائے دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کے نزدیک یہ سوال (کہ کیا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی یزید کے خلاف جدوجہد صحیح تھی یا نہیں) بنو امیہ کے اسلام سے تعلق سے طے ہوتا ہے۔ (یزید) اسلام کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والا اور اس کے نظریات کی مخالفت کرنے والا تھا تو وہ ظالم کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا اور ظالم ہونے کی وجہ سے اُسے ان مسلمانوں کو قتل کرنے کا کوئی حق نہیں تھا جو ان کے غاصب اقتدار کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ جب ہم تاریخ کے اس نام نہاد فیصلے کا جائزہ لیتے ہیں تو اسے مذہب کا فیصلہ سمجھا جاتا ہے یعنی کہ عرب سامراج پر اسلام کی مذہبی فکر کا فیصلہ سمجھا جاتا ہے۔ اس بنیاد پر یزید کی مذمت کرنا بالکل منصفانہ عمل ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ مسلمانوں کی نظر میں کلیسا (یعنی دین) اور ریاست کے درمیان فرق موجود نہیں ہے۔ یزید ایک بُرا چرچ مین (مذہبی پیشوا) تھا۔ لہٰذا وہ ایک ظالم تھا"۔[7]

سائمن اوکلے (Simon Ockley):

سائمن اوکلے ایک برطانوی استشراقی ماہر تھے جنہوں نے اسلامی تاریخ پر ایک کتاب "The History of Saracens" کے نام سے لکھی۔ وہ اس کتاب میں لکھتے ہیں:

"اگر (یزیدی علماء کی) ایک مخصوص تعداد نے حسینؓ کے خلاف فتوی دیا، تو بھی انہیں حسینؓ کو قتل کرنے کا کوئی حق نہیں تھا، بلکہ انہیں حسینؓ کی تین تجاویز میں سے ایک کو قبول کرنا چاہیے تھا۔"[8]

[4] I.b.id., p:127
[5] The decline and fall of Roman Empire by Edward Gibbon, p:2178-2179
[6] A literary history of Arabs, p:197
[7] I.b.i.d.
[8] History of Saracens by Simon Ockley, p:494-495

اس کے بعد سائمن اوکلے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی شخصیت کے بارے میں لکھتا ہے:

"اب یقیناً ہر مسلمان کو ان کی موت کے افسوسناک حادثے پر فکر مند ہونا چاہئے (خدا انہیں قبول کرے) کیونکہ وہ مسلمانوں کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے، معاشرے کے عالموں میں سے ایک عالم تھے، اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بلند رتبہ بیٹی کے بیٹے تھے اور اس کے علاوہ، وہ متقی، بہادر اور مہربان تھے"۔[9]

حرفِ آخر:

اس مطالعہ کے دوران ایک دلچسپ امر یہ سامنے آیا ہے کہ وہ نو آبادیاتی مغربی مصنفین جو کہ کسی نہ کسی اسلامی علاقے میں مغربی نو آبادیات کے اعلیٰ عہدوں پہ فائز تھے، اُن میں سے کچھ نے تو تائید کی اور کچھ نے مخالفت میں لکھا ہے۔

مثال کے طور پہ "سر ولیئم مائر" جو کہ سکاٹش برطانوی تھا اور ہندوستان کے صوبوں میں گورنر وغیرہ بھی رہا۔ ایسے مخالفینِ حسین کا مقدمہ سمجھ میں آتا ہے کہ انہیں قابض نو آبادیاتی حکومت کا افسر یا گورنر ہوتے ہوئے یہ خوف بہر حال لاحق رہتا تھا کہ حسین کی داستانِ شجاعت و حریت میں ایسا اثر ہے کہ اگر ہند کے مسلمانوں نے اس حریت نامہ کربلا کو اپنا رہنما اصول مان لیا تو برطانوی راج کے خلاف بغاوت بپا ہو سکتی ہے۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؓ

سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں استشراقی مفکرین کی رائے پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ استشراقی مفکرین، باوجود اس کے کہ ان کو اسلام اور حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے کوئی قلبی لگاؤ نہیں تھا، ان کی اکثریت کے نزدیک حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) حق پر تھے اور جو ان کے ساتھ کربلا میں ہوا وہ ظلم تھا۔ اگر کسی نے آپؓ کی سیاسی مہم جوئی کی مخالفت کی بھی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یزید کی غیر اسلامی و غیر اخلاقی حرکتوں پر بھی کڑی تنقید کی ہے جو کسی بھی طرح اسلامی اقدار کا پاسدار یا محافظ ثابت نہیں ہوتا۔ انہوں نے سانحۂ کربلا کے عالمِ اسلام پر دور رس نتائج کو بھی بیان کیا ہے۔

مستشرقین کے ماہرین کی تحقیق پڑھ کر صحیح یا غلط سے ماوراہو کر جو بات مجھے سمجھ آئی ہے وہ یہ کہ جس طرح مغرب نے ایک ٹیم تشکیل دی، جنہوں نے اسلامی تاریخ پر ایک ادارے کی سطح پر اسلام مخالف سوچ پر مبنی تحقیق کی، مسلمانوں میں بھی ایک ادارے کی سطح پہ ٹیم ہونی چاہئے، جو تاریخ اسلام پر اُٹھائے گئے اعتراضات کے تسلی بخش جواب دے۔ انفرادی طور پر تو یقیناً کام ہے لیکن ایک ادارے کی سطح پر ایک ٹیم کی صورت میں کام کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ تاکہ نوجوان نسل کو اسلام پر کئے گئے اعتراضات کے منطقی جواب دے کر اسلام کا محافظ بنایا جا سکے۔

اسلام میں قوانین سازی کا بنیادی ذریعہ قرآن کریم ہے اور اس کے بعد احادیثِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ اسلام میں ریاست کے قوانین احادیث کی بنیاد پر فقہاء نے اخذ کیے ہیں جبکہ اہلِ بیت (رضی اللہ عنہم) کی محبت قرآن کی نص سے مسلمانوں پر واجب ہے اور احادیث میں بھی اس طرح کے واضح احکامات موجود ہیں۔

☆☆☆

[9] I.b.id., p:495

مفتی محمد منظور حسین

حضور نبی کریم (ﷺ) کو اللہ عزوجل نے نبوت و رسالت کا آخری پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا- آپ (ﷺ) پر نبوت کا اتمام ہوا- تو دینِ محمدی (ﷺ) کے اتمام کی ایک نئی جہت متعین ہوگئی- رسالت و نبوت کے آخری درخشندہ ستارے نے عظیم فریضہ نبوت کے باب کو مقفل (بند) فرما دیا- ختم نبوت کے ابدی فیضان نے فقر محمدی (ﷺ) کے باب کو قیامت تک طالبین و سالکین کے لئے کشادہ فرما دیا- فقرِ حقیقی کے اس منہج میں اعلیٰ انسانی اخلاق، اقدار، حکمت، آداب، معاشرت، الہامی و قرآنی اصول وضوابط پر عمل واضح اور نمایاں پہلو کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے دور خلافت میں ملتِ اسلامیہ اگرچہ مختلف چیلنجز سے نبرد آزما ہوتی رہی- مگر نبوت و رسالت کے تعلق، نسبت اور فراست باطنیہ نے دینی، مذہبی، سیاسی، سماجی و معاشرتی استحکام کو قابلِ قدر فروغ دیا جس کے نظائر ہمیں صحابہ کرام اور اہلِ بیت نبوت (رضی اللہ عنہم) کی بے مثال ولازوال قربانیوں سے ملتے ہیں جبکہ ملوکیت میں جب مادیت اور عیش پسندی نے زور پکڑا تو عالم اسلام میں روحانی اقدار اور عقائد بتدریج زوال پذیر ہوئے اور جس فکر سے فتنہ و فساد نے جنم لیا جس کے نتیجے میں مذہب اور سماج کو جدا کر کے فرقہ پسندی اور طبقائی گروہ بندی میں منقسم کر دیا- خاندان اہلِ بیت قرآن مجید اور سنت مبارکہ کے عملی پیکر اور سراسر وحدت کے علمبردار تھے اور ہیں- اس کی وجہ یہ ہے کہ امام عالی مقام سیدنا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو نبوت کے ازلی فیض سے فقر بطورِ ورثہ ملا جیسا کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ"[1]

"حسین مجھ سے ہے اور مَیں حسین سے ہوں"-

امام عالی مقام سیدنا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا علو مرتبت ایک جہت سے نسبت محمدی (ﷺ) سے ہے تو دوسری طرف اولادِ مرتضٰی و نور نظر سیدہ زہرا سلام اللہ علیھا ہے- فقرِ شبیری فی الحقیقت فقرِ محمدی (ﷺ) کا تسلسل ہے- شہادت عظمٰی کے ساتھ ہی ظہور فقر کی پہلی کرن نوک سنان پر تلاوتِ قرآن پاک آپؓ ہی کی انفرادیت ہے-

کیا عظمت ہے اس ہستی کی جن پہ آکر سب اصول و قانون اور ضابطے ٹھہر جاتے ہیں- آپؓ ایسے امتیازی اوصاف و کمالات سے نوازے جاتے ہیں کہ دنیا ورطہ حیرت میں چلی جاتی ہے کہ بیٹا تو باپ دادا کی اولاد قرار پاتا ہے مگر نواسہ نانا جان سے کیسے منسوب ہوا- تو قرآن کریم نے اس بات کو یوں ذکر فرمایا کہ اگر بات نور کے ظہور کی ہو یا فقر کے اتمام کی تو وہاں معاملہ مخلوق کی بجائے خالق کی طرف سے تائید اور تصدیق سے جاملتا ہے- ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ"[2]

"آپ ان سے فرما دیں کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ڈالیں"-

وہ نفوس قدسیہ جن کا انتخاب قرآن کریم و سنت مبارکہ سے نمایاں ہے ان کے بارے میں حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ:

"اَنْفُسَنَا" سے مراد رسول اللہ (ﷺ) اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) ہیں اور "اَبْنَآءَنَا" سے مراد حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہما) ہیں اور "نِسَآءَنَا" سے مراد حضرت فاطمۃ الزہرہ (رضی اللہ عنہا) ہیں"-[3]

حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

[1] (سنن الترمذی، باب مناقب الحسن والحسین)
[2] (آل عمران: 61)
[3] (قاضی الشوکانی، محمد بن علی تفسیر فتح القدیر، زیر آیت آلِ عمران: 61)

"جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی تو رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت علی اور حضرت فاطمۃ الزہرہ اور امام حسن اور امام حسین (رضی اللہ عنہم) کو بُلایا اور فرمایا: اے اللہ! یہ سب میرے اہل ہیں"۔[4]

گویا کہ حضرت امام عالی مقامؓ کو قرآن کریم نے "اَبْنَآءَنَا" کے ضمن میں فرزند رسول (ﷺ) پکارا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پنجتن پاک سے جڑی نسبت نور نبوت کی لڑی میں پروئی ہوئی تسبیح کے وہ دانے ہیں جو ہر کسی کا نصیبہ نہیں ہوتے نور ازلی کا فیض اور فیضان انہی کی ذوات قدسیہ سے منسلک نظر آتا ہے۔

والدین کا انتخاب ہو چاہے اسماء کی تجویز:

خاص نفوس قدسیہ محض حسن اتفاق ہی نہیں بلکہ حسن انتخاب ہوا کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) کا ظہور فرما ہونا مقصود ٹھہرا تو آپ کے والدین کا انتخاب بھی خالق لم یزل نے فرمایا اور اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کو حکم فرمایا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول پاک (ﷺ) نے فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم خاص فرمایا ہے کہ میں فاطمۃ الزہرہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح علی (رضی اللہ عنہ) سے کروں"۔[5]

حضراتِ حسنین کریمین کے نام حسن انتخاب:

روایات میں جھانکنے سے واضح ہوتا ہے کہ فقرِ شبیری محض اتفاقی نہیں بلکہ تخلیقِ روح سے ظہورِ بدن تک کا سارا سفر حسن انتخاب سے طے ہوتا ہے۔ ولادت کے ساتھ ہی جنتی جوانوں کی سرداری کا شرف بھی بخش دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی شہادتِ عظمیٰ جیسی نعمت کی بشارت بھی عطاء کر دی گئی۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

"جب حسن (رضی اللہ عنہ) کی ولادت ہوئی تو ان کا نام حمزہ رکھا اور جب حسین (رضی اللہ عنہ) کی ولادت ہوئی تو ان کا نام اپنے چچا کے نام پہ جعفر رکھا۔ پس مجھے رسول اللہ (ﷺ) نے طلب فرمایا اور فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان دونوں کے نام تبدیل کروں تو میں نے عرض کی "اللہ و رسولہ اعلم" تو آپ (ﷺ) نے دونوں کے نام حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) رکھے"۔[6]

یاد رہے بچپن میں جنتی جوانوں کے سردار ہونے کی بشارت بھی فقرِ شبیری کا وہی تسلسل ہے جسے آپ کی ولادت سے پہلے والدین کا انتخاب اور ولادت کے ساتھ نام مبارک کا انتخاب اور شہادت سے 50 برس قبل شہادت کی خبر اور قیامت کے برپا ہونے اور دخول جنت سے ہزاروں برس پہلے جنتی جوانوں کی سرداری کا یہ عظیم مژدہ بھی دولتِ فقر اور فیضانِ فقر کے ظہور کی وہی حقیقت ہے جسے "حُسَیْنٌ مِنِّی وَ أَنَا مِنْ حُسَیْن" میں واضح کیا گیا۔

حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔[7]

"حسین منی" اور "الفقر منی":

"حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے"۔[8]

الغرض! امام عالی مقام سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) میں وہ تمام خوبیاں حسن و جمال موجود ہیں جو آقا کریم (ﷺ) میں تھی۔ آقا کریم (ﷺ) کے فضائل و کمالات کا ظہور امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) کے وجود مبارک سے ہو رہا ہے۔ ہر دور میں عشاقانِ مصطفٰے (ﷺ) اور محبانِ اہلِ بیت نے محبت و مودت نواسہ رسول (ﷺ) جگر گوشہ بتول (رضی اللہ عنہا) سے علم و حکمت، ورع و تقویٰ عشق و معرفت کے ساتھ ساتھ حمیت و غیرت اور شجاعت و بہادری اور بالخصوص فقر و عرفان کی وہ دولت پائی جس کی مثال نہیں ملتی۔

صوفیاء کرام نے اسی مشن پر اپنی کاوش جاری رکھی اور عشقِ مصطفٰے (ﷺ) سے لبریز فکر کو بطور تلقین طالبانِ مولیٰ اور سالکین کے سینوں میں منتقل کرتے رہے۔

علامہ محمد اقبال اس فکر کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[4] (سنن الترمذی، جلد:5، ص:225)

[5] (المعجم الکبیر للطبرانی، باب من مناقب ابن مسعود)

[6] (مسند احمد، مسند علی بن ابی طالب)

(المستدرک علی الصحیحین، الباب حدیث سالم بن عبید الغفی)

[7] (سنن الترمذی، باب مناقب الحسن والحسین)

[8] (ایضاً)

ہر کہ عشقِ مصطفٰے سامان اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

جس کے پاس عشقِ مصطفٰے (ﷺ) کا سامان موجود ہو کائنات کی ہر خشک و تر چیز سمٹ کر اس کے دامان میں آجاتی ہے۔

دورِ حاضر میں فقرِ شبیری سے نسبت کے تقاضوں کی جب ہم بات کرتے ہیں تو ہم پہ لازم آتا ہے کہ ہم گفتار کے غازی بننے کی بجائے رسم شبیری کو ادا کرنے کیلیے "میں" اور "انا" کا خول اتار کر دو رکعت کی امامت کی بجائے قوموں کی امامت کا فریضہ سر انجام دیں۔ اقبال کے بقول اُمت کو "فی سبیل اللہ فساد" کی بھول بھلیّوں میں بھٹکنے کی بجائے "فقر کی نگہبانی" کرنی چاہیئے۔ آپؓ کو محض مظلوم بنا کر پیش کرنے کی بجائے آپؓ کی جرأت و بہادری، ہمت و حوصلہ، صبر و استقلال، غیرت و حمیت، دشمن کے مدِ مقابل ڈٹ جانا، نہ جھکنا نہ بِکنا اور آپؓ کی استقامت کو اپنا کر معاشرے میں ایک عملی نمونہ قائم کریں۔ فقرِ شبیری در اصل فقرِ محمدی (ﷺ) کے جلال و جمال کا آئینہ دار ہے جس میں قرآن و سنت، منشاءِ خداوندی، رضائے الٰہی اور مزاجِ دینِ مصطفوی (ﷺ) کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ فقرِ شبیری جمود و تعطل اور تشدّد و تفرقہ سے بیزار کر کے جہد و تحرک اور صلح و یگانگت کا درس دیتا ہے۔ فقرِ شبیری؛ فتنہ و فساد کا دافع اور امن و آشتی کا داعی ہے، دشنام طرازی و زبان درازی کا قاطع اور اخلاق و آداب کا باغبان ہے۔

"پس چہ باید کرد" میں علامہ اقبال فقر کا نصاب یوں بیان کرتے ہیں:

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا است
ما امینیم ایں متاع مصطفیٰ است

اُسوۂ شبیری کو اپناتے ہوئے متشدد ملائیت کی جگہ میدان عمل میں اتر کر فقر و عرفان کے علم کو تھام کر دور حاضر کی یزیدیت کے ناپاک عزائم کا قلع قمع کریں۔ اکیونکہ شبیر و یزید دو افکار کا نام ہے دل کی زندگی اور روح کی بیداری کا نام فکر حسین ہے جس کے مد مقابل فکر یزید ہے۔ جیسا کہ حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

"آدمی کے وجود میں نفس یزید کی مثل ہے اور روح بایزید کی مثل ہے، اگر صاحبِ روح خدا تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہے اور اپنے ہاتھ میں تصورِ اسم اللہ ذات و تصورِ کلمہ طیبات "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کی تلوار ہاتھ میں پکڑے رہے تو گویا وہ رات دن شداد و نمرود و قارون و فرعون و ہامان علیہم اللعنت جیسے کفار کو قتل کر رہا ہے۔ لیکن اِس کے برعکس اگر وجود کے اندر نفسِ یزید زندہ اور دل مردہ ہے اور خدائے تعالیٰ سے غافل ہے اور اُس نے غفلت کی تلوار ہاتھ میں پکڑ رکھی ہے تو گویا وہ پیغمبروں کو قتل کر رہا ہے۔ اہلِ نفسِ یزید اور اہلِ روحِ بایزید کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں، تُو خود اِن میں سے کون ہے اہلِ بایزید یا اہلِ یزید؟[9]

فکرِ حسین اپنے پیروکار سے جن چیزوں کا تقاضا کرتی نظر آتی ہے ان میں خاص کر غیرت ہے کہ حسینی کٹ تو سکتا ہے مگر باطل کے سامنے جھک نہیں سکتا۔ جس مقام پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

شاہ ست حسین بادشاہ ست حسین
دین ست حسین دین پناہ ست حسین
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ست حسین

اس کی ترجمانی علامہ محمد اقبال یوں کرتے نظر آتے ہیں:

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حق کی خاطر جان لٹانے کا جذبہ اور زبان پہ حق گوئی و بے باکی محض زبانی جمع خرچ، تعصب و حسد و انتہا پسندی کی آگ میں جل کر کوئلہ ہونے سے نہیں بلکہ طریق تربیتِ کامل اور فیضانِ نظر سے عطا ہوتی ہے۔ جو بندے کو اعزاز و امتیازات سے نواز رہی ہوتی ہے جو گود سے گور تک چاہیے ہوتی ہے جس کی لازوال مثال تربیت شبیری سے ملتی ہے۔

☆☆☆

[9] (کلید التوحید کلاں، شرح ازل و ابد و کل مخلوقات درجات بہ درجات)

حسینیت اور ملائیت

سلطان باھو اور علامہ اقبال

کے فکری اشتراک کا ایک پہلو

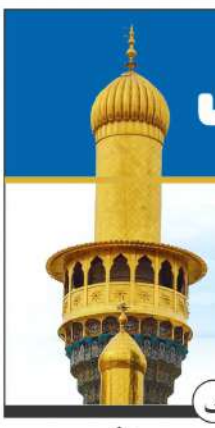

سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ

دینِ اسلام کی اساس اُس نظریہ پر ہے جو انسان کو "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" کا مستحق بناتی ہے اور حضرت انسان (مومن) خوفِ خدا کے سوا کسی کا خوف نہیں رکھتا- اس کا علم اور اس کا عمل حق ہو جاتا ہے اور محض حق کے لئے (ہی) ہوتا ہے اور وہ باطل کے آگے سیسہ پلائی دیوار بن کر آخری سانس تک توکل الی اللہ کی لاٹھی لئے کھڑا رہتا ہے- دینِ اسلام کی محافظت و مدافعت ہمیشہ علمائے ربانیین کا خاصہ رہی ہے اور ایسے علمائے اہلِ حق ہر دور میں موجود رہے ہیں- سنن ابن ماجہ میں حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے:

"قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے: انبیاء (علیہم السلام)، علماء اور شہداء"-

انہی علمائے حق کیلئے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے کہ:

"تمام بھلائیوں میں اعلیٰ درجہ کی بھلائی علما کا خیر ہے"-

اس کی سب سے بڑی مثال معنیٰ ذبحِ عظیم، نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، جگر گوشہ بتول، سید الشہداء امام عالی مقام سیدنا حسین بن علی (رضی اللہ عنہم) کی ذات پاک ہے جنہوں نے اپنے علم اور عمل سے واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی بقا ہی عین علم و عمل ہے اور جو اس کے مخالف ہو اس کا علم اور عمل بے مقصد، بے معنی اور بے کار ہوتا ہے-

عاشق و مؤدبِ سادات سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس عظیم فلسفہ کے موتیوں کو اپنے عارفانہ کلام کے ہار میں اس انداز سے پرویا ہے:

جے کر دین علم وِچ ہوندا سر نیزے کیوں چڑھدے ھو
اٹھاراں ہزار جو عالم آہا اوہ اگے حسینؑ دے مردے ھو
جے کجھ ملاحظہ سرورؐ دا کردے تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ھو
جے کر مندے بیعت رسولیؐ پانی کیوں بندے کردے ھو
پر صادق دین تنہاں دے باھوؒ جو سر قربانی کردے ھو

علمائے خیر و حق کے برعکس علمائے سو کی روش نفاق، نفرت، تشدد، تعصب اور تفریق و تقسیم بالفاظِ دیگر دینی اساس کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے لیکن ان کے لاکھ جتن کر لینے کے بعد بھی حق ہمیشہ بلند رہتا ہے-

دینِ متین کے عالمی و آفاقی تصور کو سیاسی و ریاستی عہدوں کے لالچ کیلئے خود ساختہ تفرقوں کے دائروں میں قید کرنا اور اعمال کی حقیقی چاشنی و لذت اور قرب و معرفتِ حق کی جستجو سے خالی منطقی مباحث میں الجھانا ہمیشہ سے علمائے سوء کا کردار رہا ہے- جو کچھ علمائے حق نے خدمت کی مثلاً اما ابو حنیفہ، امام بخاری، امام غزالی امام نسفی وغیرہم) اُس کا خیر آج تک موجود ہے- جو کچھ علماءِ سو نے کیا اس کا خمیازہ ماضی میں بھگتا گیا اور حال میں بھی اس کے کربناک اور اندوہ ناک نتائج کا امتِ مسلمہ کو سامنا ہے- علمِ حجابِ اکبر، رعب و دبدبے کا

سقت، طاقت اور اقتدار کا نشہ، دنیا کی لالچ، حکومت کی چاہت اور نفس پرستی کی عادت انسان کو راہِ حق سے ہٹا دیتی ہے اور اسے اندازہ بھی نہیں ہوتا- علماءِ سو حضرت امام حسین کے مخالف یزیدی لشکر میں موجود تھے جن کے دل کی آنکھیں نابینا اور سر کی آنکھیں بینائی رکھنے کے باوجود بھی چندھیائی ہوئی تھیں-

واقعہ کربلا نے کئی جہات سے اُمتِ مسلمہ کو متاثر کیا ہے، جن میں ایک خاص پہلو علمائے سُوء کے کردار کا بھی ہے- علامہ اقبال نے اپنے معروف خطبات "تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" میں اس بات پہ روشنی ڈالی ہے کہ دنیائے اسلام میں اپنے کئے دھرے کے احتساب سے چھٹکارا پانے کیلئے اس زمانے کے یزیدی علماء نے تقدیر پرستی کی بنیاد ڈالی کہ جب خاندانِ نبوت پہ توڑے گئے مظالم پر دنیائے اسلام میں اموی بادشاہ کے خلاف جذبات ابھرے، تو یزیدی علماء نے تعبیر پیش کی کہ اس میں بادشاہ کا کیا قصور؟ یہ تو اللہ نے تقدیر میں ایسا ہی لکھ رکھا تھا لہٰذا یہ تو ہو کر ہی رہنا تھا- اقبال کے نزدیک یہ تعبیر دنیائے اسلام کو احتساب عمل کے بجائے تقدیر پرستی کی طرف لے گئی جس سے بے عملی نے فروغ پایا- اس فکر پہ اقبال نے اردو میں بھی کلام کیا ہے:

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں، بنا کے تقدیر کا بہانہ

حضرت سلطان باھُو کے درج بالا بیت سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ اگر "دین" علم پڑھنے پڑھانے سے نصیب ہوتا تو یزیدی لشکر میں ہزاروں علماء کی موجودگی میں خاندانِ نبوت کے سر نیزوں پہ کیوں چڑھائے جاتے؟

جے کر دین علم وِچ ہوندا سر نیزے کیوں چڑھدے ھو

دوسرا مصرعہ کثیر المعانی ہے جس میں "عالم" اور "اگے" کے الفاظ قابلِ غور ہیں-

اَٹھاراں ہزار جو عَالم آہا اوہ اگے حسینؑ دے مَردے ھو

بعض کے نزدیک یہ "عالَم" بمعنی جہان کے ہے یعنی ذبحِ عظیم کے وقت اٹھارہ ہزار جہانوں کی مخلوقات موجود تھیں مگر کوئی بھی حسین سے سبقت نہ لے سکا- یہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی روح مبارک تھی جس نے عالمِ ارواح میں قربانیٔ اسماعیل کی تکمیل کا وعدہ کیا- بعض کے نزدیک یہ "عالِم" بمعنی علم رکھنے والے کے ہے کہ محاورۃً فرمایا کہ یزیدی فوج میں اٹھارہ ہزار علماء گھسے بیٹھے تھے مگر امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے پہلے کسی نے ظلم و فسق کے خلاف جان کا نذرانہ نہیں دیا- اس مصرعہ میں "اگے" کا لفظ بھی بہت ذو معنی ہے؛ ایک معنی ہے پہلے اور دوسرا معنی ہے کہ اٹھارہ ہزار تعداد تھی ان ملاؤں کی، وہ اگر دین جانتے ہوتے تو وہ نہتے اور بے سر و سامان سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے آگے ڈھال بن کر کھڑے ہو جاتے اور ان کی خاطر جان تک دے دیتے- کیونکہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا ساتھ دینے کا مطلب اہلِ جنت کے سردار کا ساتھ دینا تھا تو "اگر دین علم میں ہوتا" تو وہ جنت کے سردار والی روایت کو جاننے کے باوجود اس کے مخالف کیسے کھڑے رہے؟ مگر علماء سو کو صرف اپنے عہدوں اور مناصب سے غرض تھی اس لئے انہوں نے نہ تو شبابِ جنت کے سردار کا ساتھ دیا، نہ ہی "امت کی کشتیٔ نوح" کو تھاما اور نہ ہی "کتاب و سنت و عترت" سے اعتصام کیا-

جے کجھ مُلاحظہ سرورؐ دا کردے تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ھو

یعنی اگر ان علمائے سو کی آنکھوں میں نبی پاک سرورِ دو عالم (ﷺ) کا ذرا سا بھی لحاظ ہوتا تو جہاں خانوادہء نبوت کی پاکیزہ پردہ دار بیبیاں قیام پذیر تھیں ان طنبو اور خیموں کو تو نہ جلانے دیتے-

جے کر مَندے بیعت رَسُولیؐ پانی کیوں بندے کردے ھو

یہ علماء سو سیاست و ریاست کے عہدوں، منصبوں اور انعامات کے اس قدر پجاری بن گئے اور حق سے ایسے دور ہو گئے کہ وہ یزید کی بیعت تو مانتے تھے مگر نبی پاک کی بیعت کو ٹھکرا دیا، اور نبی پاک (ﷺ) کی بیعت وہ بیعت ہے جسے سورہ فتح میں اللہ کریم نے اپنی بیعت فرمایا ہے، علمائے سوء نے اگر بیعتِ محمدی کو نہ ٹھکرایا ہوتا تو محمد رسول اللہ (ﷺ) کی شریعت کے کس اصول کے تحت محمد رسول اللہ (ﷺ) کی

عترت کا پانی بند رکھا؟ بیت کے آخری مصرعہ میں حضرت سلطان باھُو (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) کا ساتھ دینے والے اور ان کی حفاظت و مدافعت میں شہید ہونے والے شہدائے کربلا کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

پر صادق دین تنہاں دے باھوؒ جو سر قُربانی کردے ھو

یعنی ایک "دینی نمونہ" علماء سو نے پیش کیا کہ نہ نبی پاک کا لحاظ کیا، نہ نبی پاک کی بیعت کا لحاظ کیا اس کے برعکس ایک "دینی نمونہ" امام عالی مقام کے رفقاء نے پیش کیا کہ اپنے سر حسین کی اطاعت میں قربان کر دیئے، ان میں سچے وہی ہیں جنہوں نے سروں کے نذرانے پیش کر دیئے نہ کہ وہ جنہوں نے عہدوں، پوشاکوں اور سیاسی ریل پیل کو حاصل کیا-

یزیدی لشکر کے علماء اور ان کے پیروکار، ملائیت کے علمبردار، تسبیح کھڑکانے اور بزدل علماءِ سو کے متعلق سلطان العارفین علیہ الرحمہ اپنی تصنیف محک الفقر کلاں میں بیان فرماتے ہیں:

علم نہ علم است کہ بر ارباب جاہ
جادہ است آن از پی تسخیر شاہ

"وہ علم، علم نہیں جو عزت و مرتبہ چاہنے والے بادشاہ کو تسخیر کرنے کیلئے ہو"-

ابیاتِ باھُو میں جہاں جہاں علمائے سُوء کا محاسبہ کیا گیا ہے وہاں اگر تاریخی جائزے کی کوشش کی جائے تو سارے اشارے یزیدی دربار سے وابستہ علماء کی طرف ہی جاتے دکھائی دیتے ہیں- مثلاً ایک جگہ آپ فرماتے ہیں:

پڑھ پڑھ عِلم ملوک رجھاون کیا ہویا اُس پڑھیاں ھو
ہرگز مکھن مُول نہ آوے چھٹے دُودھ دے کڑھیاں ھو

یعنی ملاں علم کے ذریعے بادشاہوں کے دل موہنا چاہتے ہیں، اس پہ حضرت سلطان باھُوؒ تشبیہ قائم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جتنی مرضی کوشش کرلی جائے خراب دودھ سے مکھن نہیں نکالا جا سکتا- مراد یہ ہے کہ علماء سو کا علمِ دین حاصل کرنے کا مقصد لوگوں کو حقیقت کا متلاشی بنانا نہیں ہوتا، معرفتِ حق کی طرف راغب کرنا نہیں ہوتا، معبودِ حقیقی کی رضا اور خوشنودی کے حصول کی طرف لے جانا نہیں ہوتا، کمالِ بندگی کو حاصل کرنے کی تمنا پیدا کرنا نہیں ہوتا، لوگوں کے شعور کو آفاقی شعور سے متصل کرنا نہیں ہوتا، سینوں کو روشنی اور نور سے منور کرنے کی راہ بتانا نہیں ہوتا- بلکہ ان کا مقصد حکمرانوں کی نظروں میں مقام اور توجہ حاصل کرنا ہوتا ہے اس کیلئے وہ کبھی سریلے اور کبھی بھڑکیلے وعظ فرماتے ہیں، اس مقصد کیلئے وہ اپنے مقتدیوں اور شاگردوں کو استعمال کر کے عہدوں، منصبوں اور دیگر مراعات کو حاصل کرتے ہیں جس سے کبھی بھی خیر کا چشمہ نہیں پھوٹے گا- اس سے ہمیشہ تفرقے پھوٹتے ہیں، نفرتوں کی تجارت ہوتی ہے، تشدد پہ اکسایا جاتا ہے، مار کٹائی اور جلاؤ گھراؤ کی ترغیب دی جاتی ہے، اپنی سستی شہرت اور اقتدار کیلئے جتھے بنا کر ریاستوں کو بلیک میل کیا جاتا ہے، ایسی حرکتوں سے بھلا اسلام کو کیا فروغ ملے گا؟ اس لئے سلطان باھوؒ اپنے کلام میں جابجا یزیدی علماء کی روش پہ گامزن علمائے سو کا کڑا محاسبہ کرتے ہیں اور ایک مقام پہ فرماتے ہیں:

جتھے ویلھن چنگا چوکھا اُتھے پڑھن کلام سوائی ھو

کہ جہاں "ویلیں" زیادہ ملیں وہاں زیادہ اچھا وعظ کرتے ہیں اور میزبان کیلئے زیادہ دل و جان سے دعائیں مانگتے ہیں- یہی عمل یزیدی علماء سو کا تھا کہ مال و دولت کی لالچ میں پڑ گئے اور "عترت" سے اعتصام ترک کر دیا-

علمائے سوء کی نفسیات کو عارفِ لاہوری علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ نے جابجا بیان کیا ہے:

دل ملا گرفتار غمی نیست
نگاہی ہست، در چشمش نمی نیست
از آن بہ گریختم از مکتب او
کہ در ریگ حجازش زمزمی نیست

"ملا کا دل (بقائے اُمت کے) غم میں گرفتار نہیں کیونکہ اس کے پاس آنکھ تو ہے اس میں نمی نہیں- اس کے مکتب سے مَیں اس لیے نکل آیا ہوں کہ ملاں کے حجاز کی ریت میں کوئی زمزم کا چشمہ نہیں ہے-"-

فلسفہ شہادتِ امام حسین دین اسلام کی حقانیت کے مقدمہ پر قائم ہے اور اس فلسفہ کا ایک رخ اہلِ تحقیق اور اہلِ شعور کو علمائے حق اور علمائے سو میں تمیز و تفریق، ملائیت اور

حقیقت میں امتیاز اور ورد و وظائف والے صوفی اور جہادِ زندگانی والے صوفی کے درمیان فرق کرنا سکھاتا ہے- جیسا کہ اقبال نے اس فرق کو واضح کیا ہے:

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور

میدانِ کربلا میں یوں تو بظاہر دونوں طرف کلمہ گو، عالمِ دین موجود تھے لیکن ایک جانب وہ عالم تھے جو "العلماء ورثاء الانبیاء" تھے جن کے فقہ نے انہیں ثقہ کیا تھا اور ایک طرف دنیا کی چاہت رکھنے والے علماء سو تھے کہ جن پر اقبال ضرب کلیم میں کاری ضرب مارتے ہوئے لکھتے ہیں:

خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

علم کی حقیقت الف میں پنہاں ہے اور وہ الف اسم اَللّٰہُ ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے علم کو جان لیا، اس نے علم سے معلوم کو پالیا- کربلا کی ریت پر حسینیت اسی علم الف کا عَلَم بلند کئے تھی جسے اہلِ نظر کے سوا کوئی کیونکر دیکھ سکتا تھا- حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) بائے بسم اللہ کے علم کے مظہر و امین اور قرآن کی رو سے ذبیح عظیم ہیں- جیسا کہ اقبال نے آپ کو مخاطب کر کے کہا:

اللّٰہ اللّٰہ بائے بسم اللّٰہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

"اللہ اللہ آپ (رضی اللہ عنہ) کے والدِ ماجد بسم اللہ کی باء تھے اور بیٹا یعنی حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) "وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ" کا مطلب و مفہوم بن گئے"-

دین کو خشک علم میں پنہاں سمجھنے والوں کو سلطان العارفین نے وعید سنائی تھی کہ اگر دین علم میں ہوتا تو اہلِ بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کے مبارک سر نیزوں پر کیوں چڑھائے جاتے- وہ علم جو معلوم سے ناآشنا کیے رکھے اور کوفیوں کی طرح بزدل اور دنیا کی حرص اور لالچ کا قیدی بنادے وہ علم کبھی بھی "العلم فریضة" نہیں ہوسکتا ہے- اقبال اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں:

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کے ابیات میں قطعاً نہ نفی علم ہے اور نہ ہی علمائے حق کی نفی بلکہ ان علمائے سو کی نفی ہے جنہوں نے یزید سے دنیاوی مفاد حاصل کرنے یا اس کے خوف سے امام حسین اور اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کے مناقب، فضائل اور عظمت کو جاننے کے باوجود یزید کی حمایت کی- جنہوں نے صرف دنیاوی مفاد کی خاطر دین کو بیچ ڈالا- یہی وہ یزیدی سوچ ہے جو آج بھی دین کا لبادہ اوڑھے اغیار کی غلامی کو اور ان کی غلامانہ سوچ کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتی ہے- وہ سوچ آج بھی عوام کو نفرتوں اور تشدد میں الجھاتی ہے اور پارلیمنٹ میں پہلے اپنے لئے ایک عدد کرسی کی خواستگار ہوتی ہے- پھر اپنے فرزند کے لئے جو عالم ہو یا نہ ہو اور خاندان کے لئے چاہئے وہ قابل ہوں یا نہ ہوں- ایسوں کے لئے آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے جسے مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ مسند احمد نقل کیا گیا ہے:

"جس شخص نے اس علم کو جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سیکھا جاتا ہے اس لیے سیکھا تاکہ اس کے ذریعہ دنیا کمائے ایسا شخص جنت کی خوشبو نہ پائے گا"-

یہ علماء سو آج بھی اپنے سیاسی مفادات کے تحت امت کو تقسیم در تقسیم کرتے ہیں- جنہوں نے تکبر و عناد، حسد اور بغض اور دشنام طرازی کو اپنا شیوہ بنالیا ہے-

امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا کردار پورے واقعہ کربلا میں ایک مصلح کا تھا- آپ کی ساری جدوجہد امت کی اصلاح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے تھی- اسی لئے سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) جب اہلِ بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کے ہمراہ حجاز مقدس سے کوفہ کی جانب چلے تھے تو آپ (رضی اللہ عنہ) اپنے وصیت نامہ میں اپنے برادر محترم محمد حنفیہ نفس ذکیہ کو لکھتے ہیں کہ:

"اِنّی ما خَرَجتُ اَشرًا ولا بَطرًا و لا مُفسدًا و لا ظالمًا، اِنّما خرجتُ لِطلَبِ الاِصلاح فی اُمّةِ جدّی، اُریدُ اَن آمُرَ بالمعروفِ و اَنهی عن المنکر و اُسیر بسیرةِ جدّی و اَبی علیّ بن اَبی طالب"

"میں سرکشی اور مقام طلبی کی خاطر یا ظلم و فساد پھیلانے کی خاطر نہیں چلا ہوں بلکہ میرا مقصد صرف نانا کی امت کی اصلاح کرنا، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور بابا کی سیرت پر عمل پیرا ہونا ہے"۔

اگر آپ کی چاہ علماء سو کی طرح دنیا ہوتی تو آپؓ جنگی ساز وسامان کے ہمراہ ہوتے۔ اقبال کہتے ہیں:

مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نکردے با چنین سامان سفر

"اگر ان کا مقصد سلطنت حاصل کرنا ہوتا تو اتنے تھوڑے سازوسامان کے ساتھ یہ سفر اختیار نہ کرتے"۔

الغرض! کوفیوں کی وعدہ خلافی اور دھوکا دہی پر آپؓ نے اُسے نصیب کے ہاتھوں نہ دیا بلکہ الف کی تلوار بن گئے اور باطل کے آگے سر نہ جھکایا۔ اقبال کہتے ہیں کہ مومن ہر حال میں اپنی نگاہ مالک پر رکھتا ہے اور تقدیر کا بہانہ بنا کر مایوس و بے بس نہیں بن جاتا۔ اقبال کے ہاں فقرِ غیور اسی مومن کی نشانی ہے جو سنتِ حسین کا پیرو ہے۔ وہ دنیا کی فکر اور چاہ و طلب میں اپنے دل کو گرفتار نہیں رکھتا بلکہ اس کا دل اَللّٰہُ بس ماسوی اللہ ہوس کی آماجگاہ ہوتا ہے، پسپائی و رسوائی کا سبب اور کوئی نہیں لیکن یہ ہے کہ ہم نے اپنے کردار، گفتار، علم و عمل، ظاہر و باطن میں فقرِ شبیری کی بجائے روایتی ترش و شیرینی کی علمیت اور ملائیت کو اختیار کر لیا ہے۔ بقول عارفِ لاہوری:

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بہ خلوت می روند آں کار دیگر می کنند
مشکلی دارم ز دانشمند محفل باز پرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

"واعظ لوگ جب محراب و منبر پر جلوہ فرما ہوتے ہیں، وہاں جو باتیں کرتے ہیں، خلوت میں جاکر ان کے برخلاف کام کرتے ہیں، میری ایک مشکل ہے، محفل کے دانشمند سے ایک دفعہ پھر پوچھ کر بتائیں کہ جو لوگ توبہ کرنے کا فرماتے ہیں وہ خود توبہ کیوں نہیں کرتے"۔

حضرت سلطان باھوؒ نے اپنے ابیات میں اسی حقیقت کو واضح کیا ہے کہ وہ تمام علماء جو لشکرِ باطل لشکرِ یزید میں تھے ان کے کسبِ علم کا انہیں کچھ فائدہ نہیں ہونا کہ وہ علم انہیں بچا نہیں سکا بلکہ ان کی ہلاکت کا سبب بن گیا۔ ایسوں کا علم زمین پر فساد بپا کرنے کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ بقول اقبال:

دینِ ملا فی سبیل اللہ فساد

اس لئے فساد اور تشدد کی راہ کو ترک کر کے علمائے حق کی راہ کو یعنی امن و استقامت کو اختیار کرنا چاہئے۔ علامہ اقبال نصیحت کرتے ہیں کہ "روم را در آتشِ تبریز سوز" کہ جب تک روم کو تبریز کی آگ میں پگھلایا نہیں جاتا بدی پہ اکسانے والے نفس کو زیر نہیں کیا جا سکتا۔

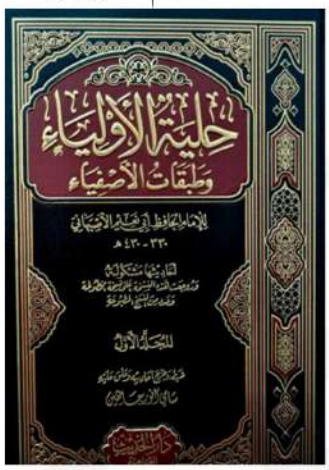

امام مالکؒ کے قول کا اقبالیاتی ترجمہ کہ "روم و تبریز" کو جمع کر لیا جائے تو مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ فی زمانہ اُمت کو ایسے ہی علماء کی ضرورت ہے جو علمِ ظاہر اور علمِ باطن کا حسین امتزاج رکھتے ہیں، یہی انبیاء (علیہم السلام) کے حقیقی وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء (علیہم السلام) کی وراثت میں دونوں علوم پائے جاتے ہیں اور یہی علمائے ربانیین ہیں جو اُمت کیلئے سراسر خیر کا سرچشمہ ہیں۔ جن کا سوچنا خیر، جن کا دیکھنا خیر، جن کا لکھنا خیر، جن کا پڑھنا خیر، جن کا پڑھانا خیر اور جن کا بولنا خیر پر مبنی ہوتا ہے۔

حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"ہر عالم کے پاس مت بیٹھو، سوائے اس عالم کے جو تمہیں پانچ چیزوں سے پانچ چیزوں کی طرف بلائے، شک سے یقین کی طرف، دشمنی سے خیر خواہی کی طرف، تکبر سے تواضع کی طرف، ریاکاری سے اخلاص کی طرف اور دنیا کی رغبت سے، بے رغبتی کی طرف"۔

یہ علماء خیر سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

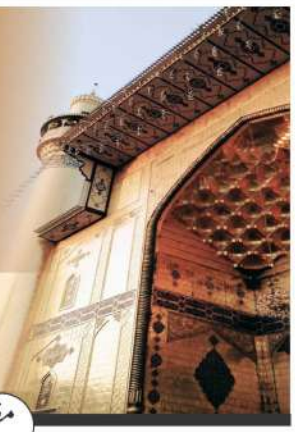

سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

کے خطوط و خطبات مبارکہ کا اجمالی جائزہ

مفتی محمد اسماعیل خان نیازی

وارثِ علومِ نبیؐ، پیکرِ جود و سخا، نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، جگر گوشۂ بتول (رضی اللہ عنہا)، سیّد الشہداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) مکہ مکرمہ میں امن و سکون سے اپنی حیات مبارکہ کے شب و روز بسر فرما رہے تھے حکومت کی مخالفت کے باوجود کسی کی ہمت نہ تھی کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کی طرف میلی آنکھ بھی اٹھا کر دیکھتا- یہاں تک کہ کوفیوں کے پے در پے خطوط آنا شروع ہو گئے- جیسا کہ امام ذہبی لکھتے ہیں:

”حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے پاس اہل کوفہ کی طرف سے قاصد ایک دیوان لے کر آئے جس میں ایک لاکھ لوگوں کے اسماء تھے“-[1]

مشہور مؤرخ علامہ ابن جریر طبری (رحمۃ اللہ علیہ) کے مطابق:

”سیّد الشہداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی بارگاہِ اقدس میں آنے والے خطوط کی تعداد 150 تھی اور ان میں سے ہر ایک خط کو لکھنے والے ایک، دو یا چار افراد تھے“[2]

رئیس المؤرخین علامہ ابن خلدون تفصیلاً لکھتے ہیں:

”جب کوفیوں کو بیعتِ خلافتِ یزید اور حسین ابن علی (رضی اللہ عنہما) کے مکہ چلے جانے کا حال معلوم ہوا تو حضرت علی سلیمان بن صرد کے مکان پر جمع ہوئے اور چند لوگوں کی طرف سے جن میں سلیمان و مسیّب بن محمد و رفاعہ بن شداد و حبیب بن مظاہر وغیرہ تھے- امام حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کو اس مضمون کا خط لکھا کہ آپؓ یہاں تشریف لائیے ہم لوگوں نے نعمان کے ہاتھ پر یزید کی بیعت نہیں کی نہ جمعہ اور عید کی نمازوں میں اس کے ساتھ شریک ہوتے ہیں- اگر آپؓ تشریف لائیں تو ہم اس کو نکال دیں گے -خط عبد اللہ بن سبع ہمدانی اور عبد اللہ بن دال کی معرفت روانہ کیا گیا- پھر دو راتوں کے بعد دوسرا خط تقریباً 150 آدمیوں کی جانب سے اس مضمون کا خط لکھا گیا- پھر تیسری مرتبہ بھی اس مضمون کا خط روانہ کیا گیا- جس کو شبت بن ربعی، حجاز بن الجبر، یزید بن الحرث یزید بن رویم، عُروہ بن قیس عمر بن الحاج زبیدی محمد بن عمر التمیمی وغیرہ نے بڑے شدّ و مد سے لکھا تھا“-[3]

ان خطوط میں منتیں اور التجائیں اور یہ یقین دلایا گیا کہ ہم سب مرد و زن آپؓ کے اشارہِ ابرو پر سب کچھ نثار کر دیں گے- حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنے قریبی رفقا سے مشورے کے بعد مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) کو حالات کی خبر گیری کے لیے بھیجا اور حکم فرمایا کہ وہ حضرت ھانی بن عروہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس ٹھہریں- حضرت مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) نے وہاں جا کر حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی طرف لکھا:

”بَايَعَنِي إِلَى الآنَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ أَلْفاً، فَعَجِّلْ“

”اس وقت تک اٹھارہ ہزار لوگ میری بیعت کر چکے ہیں- پس آپؓ جلدی فرمائیں“-[4]

شارح صحیحین علامہ غلام رسول سعیدیؒ سیّد الشہداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی کوفہ روانگی کی بابت رقم طراز ہیں:

”اہل کوفہ نے جب آپ (رضی اللہ عنہ) کو بیعت کے لیے دعوت دی اور آپؓ نے مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) کو دریافتِ حال کے لیے کوفہ بھیجا اور ان کی یقین دہانی کے بعد آپؓ اہلِ کوفہ کی دعوت قبول کر لی اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؓ

[1] سیر اعلام النبلاء باب: الحُسَيْنُ الشَّهِيْدُ أَبُو عَبْدِ اللهِ بنُ عَلِيِّ بنِ أَبِي طَالِبِ بنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ (رضی اللہ عنہ)

[2] ابن جریر طبری، (المتوفی: 310ھ)، تاریخ الرسل والملوك، باب: ذکر الخبر عن مراسله الکوفیین الحسین علیه الصلوٰة والسلام، ج:5

[3] ابنِ خلدون، عبدالرحمٰن ابنِ خلدون رحمۃ اللہ علیہ (808ھ)، تاریخ ابن خلدون، ج: اول-دوم، ص: 512-

[4] سیر اعلام النبلاء باب: الحُسَيْنُ الشَّهِيْدُ أَبُو عَبْدِ اللهِ بنُ عَلِيِّ بنِ أَبِي طَالِبِ بنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ (رضی اللہ عنہ)

کے نزدیک یزید کی حکومت صحیح نہیں تھی اور جب آپؓ کو خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کرنے کا ایک موقع ملا تو آپؓ کے نزدیک یہ ضروری تھا کہ آپؓ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے اور جو لوگ آپؓ سے ایک صالح حکومت قائم کرنے کی درخواست کر رہے تھے ان کی اس درخواست کو منظور فرماتے اس وجہ سے آپؓ کوفہ روانہ ہو گئے"۔[5]

"اور جب آپؓ کوفہ کے قریب پہنچے تو اہل کوفہ نے ابن زیاد کے دھمکانے سے نواسۂ رسول (ﷺ) کے ساتھ باندھا ہوا عہدِ وفا توڑ دیا۔ اہلِ کوفہ نے جس انداز میں غداری کا طریق اپنایا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حتی کہ ان کی غداری ایک ضرب المثل ("کُوْفِیْ لَا یُوْفِیْ" اہلِ کوفہ وفا نہیں کرتے) بن گئی، اہلِ کوفہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لبطہ بن فرزدق اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، تو میں نے عرض کی۔ (یا حسینؓ!):

"اَلْقُلُوْبُ مَعَكَ، وَالسُّیُوْفُ مَعَ بَنِیْ أُمَیَّةَ"

"(کوفیوں) کے دل تو تمہارے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنوامیہ کے ساتھ ہیں"۔[6]

کربلا روانگی سے پہلے سیّد الشہداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) اور اہلِ کوفہ کے درمیان خطوط کا تبادلہ بھی ہوا۔ یہاں آپؓ کے تحریر کردہ خطوط مبارکہ میں سے چند خطوط کو لکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

نوٹ: ان خطوط کا تذکرہ علامہ ابن جریر طبری (رحمۃ اللہ علیہ)، علامہ ابن اثیر (رحمۃ اللہ علیہ) اور دیگر کئی مؤرخین نے بھی باختلاف الفاظ فرمایا ہے۔

خط 1: حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کا خط بنام اہلِ کوفہ

"بسم اللہ الرحمن الرحیم! حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے جماعت مومنین و مسلمین کو۔

امّا بعد!" ہانی اور سعید تم لوگوں کے خط لے کر میرے پاس آئے۔ تمہارے قاصدوں میں یہ دونوں شخص سب کے آخر میں وارد ہوئے جو کچھ تم نے لکھا اور بیان کیا اس کو میں نے سمجھ لیا۔ اور تم سب لوگوں کا یہ قول

کہ ہمارا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔ آپ آیئے! شاید اللہ آپؓ کے سبب سے ہم کو حق و ہدایت پر مجتمع کر دے۔ مجھے معلوم ہوا کہ میں نے اپنے بھائی، ابن عم اور اپنی اہلِ بیت میں سے جن پر مجھے بھروسہ ہے تمہارے پاس روانہ کیا ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے تم لوگوں کا حال اور سب کی رائے وہ مجھے لکھ کر بھیجیں۔ اگر ان کی تحریر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ تمہاری جماعت کے لوگ اور صاحبانِ فضل و عقل تم میں سے سب اس بات پر متفق الرائے ہیں جس امر کے لیے تمہارے قاصد میرے پاس آئے ہیں اور جو مضامین تمہارے خطوط میں مَیں نے پڑھے ہیں۔ تو میں بہت جلد ان شاء اللہ تمہارے پاس چلا آؤں گا۔ اپنی جان کی قسم! رہنمائے قوم وہی شخص ہو سکتا ہے جو قرآن پر عمل کرے، عدل کو اپنائے، حق کا طرف دار ہو، اللہ عزوجل کی ذاتِ اقدس پر توکل رکھے والسلام"۔[7]

خط 2: حضرت مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) کے راہبروں کی موت

"سیّد الشہداء حضرت امام حسین نے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو بُلا کر قیس بن مسہر صیدادی و عمارہ بن عبید سلولی و عبد الرحمٰن بن عبد اللہ ارجی کے ساتھ روانہ فرمایا۔ حضرت مسلم (رضی اللہ عنہ) روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ میں پہنچے۔ مسجد نبوی (ﷺ) میں نماز ادا فرمائی اپنے لوگوں سے رخصت ہوئے اس کے بعد بنی قیس کے دو راہبروں کو اجرت پر ٹھہرایا۔ یہ دونوں راہبروں کو لے کر چلے۔ راستہ بھول گئے۔ شدت کی پیاس سب پر طاری ہوئی۔ حضرت مسلم (رضی اللہ عنہ) نے قیس بن مسہر کے ہاتھ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو بطن خبیث سے خط لکھا کہ

[5] شرح صحیح مسلم، ج:3، ص:506

[6] سیر اعلام النبلاء، باب: الحُسَیْنُ الشَّهِیْدُ أبو عَبْدِ اللهِ بنُ عَلِيِّ بنِ أَبِي طَالِبِ بنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ (رضی اللہ عنہ)

[7] ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، باب: ذکر الخبر عن مراسلہ الکوفیین الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام، ج:5، ص:353

مدینہ سے دو راہبروں کو ساتھ لے کر میں نکلا تھا- وہ راستہ میں بھٹک گئے- ہم سب پیاس کی تکلیفِ شدید میں مبتلا ہو گئے - دونوں راستہ بتانے والے قریب المرگ ہو گئے ہیں- ہم لوگ چلتے چلتے پانی تک پہنچ تو گئے مگر اس حالت میں کہ ذرا ذرا سی جان باقی تھی- (یعنی تنگنائے) سفر کے ان واقعات سے مجھے وسواس ہوتا ہے والسلام-

سیّد الشہداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے جواب میں لکھا کہ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں خوف تو تم میں نہیں پیدا ہو گیا کہ جس کام کے لیے میں نے تم کو بھیجا ہے کہ اس سے معافی چاہتے ہو- پس جدھر جانے کو میں نے تم سے کہہ دیا ہے اسی طرف جاؤ والسلام علیک"-[8]

خط3: حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے خطوط بنام شرفائے بصرہ:

سیّد الشہداء امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنے ایک غلام آزاد سلیمان کے ہاتھ بصرہ کے پانچوں گروہوں کے رؤسا اور اشرافِ شہر کو ایک خط روانہ کیا- ان لوگوں میں مالک بن مسمع بکری اور احنف بن قیس اور منذر بن جارود اور مسعود بن عمرو اور قیس بن الہیثم اور عمر بن عبید اللہ بن معمر کا نام ہے- یہ ایک ہی خط تھا جو سب سرداروں کے نام آیا تھا- (سیّد الشہداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے تحریر فرمایا):

"أَمَّا بَعْدُ! اللہ عزّوجل نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے مخلوقات میں برگزیدہ کیا- آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نبوت سے نوازا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رسالت کے لیے انتخاب فرمایا پھر اللہ عزوجل نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے پاس بُلا لیا اور تحقیق آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اللہ کی مخلوق کی خیر خواہی کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک جو پہنچا اس کو (عوام الناس تک) پہنچایا اور ہم لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل و وصی و ولی و وارث ہیں اور لوگوں میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانشینی کے لوگوں کی نسبت ہم زیادہ حق دار ہیں- ہماری قوم والوں نے اس باب میں ہم پر اپنے آپ کو ترجیح دی، ہم بھی راضی ہو گئے (ہم راضی اس لیے ہوئے کیونکہ امت مسلمہ کی آپس میں) نا اتفاقی سے ہم نے نفرت کی اور امن و عافیت کو ہم نے پسند کیا اور ہم اچھی طرح اس چیز کو جانتے ہیں کہ بہ نسبت ان کے ہم حق کے زیادہ حقدار ہیں- یہ جان بوجھ کر کہ جنہوں نے اس امر کا ذمہ لیا ہے انہوں نے احسان کیا، اصلاح کی، حق کے طالب رہے اللہ عزوجل ان پر رحم فرمائے اور ہمارے اور ان کے گناہوں کو بخش دے- میں نے اپنا قاصد تم لوگوں کے پاس یہ خط دے کر روانہ کیا ہے میں تم کو کتاب اللہ و سُنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف دعوت دیتا ہوں- اس لیے کہ سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مٹا دی گئی ہے اور بدعت کو رواج دیا ہے- اگر تم لوگ میری بات کو سنو گے اور میری اطاعت کرو گے تو میں تم کو راہ ہدایت پر لگا دوں گا- والسلام علیکم ورحمۃ اللہ!"-[9]

خط4: حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کی طرف سے اپنے مومنین اور مسلمین بھائیوں کی طرف:

"تم پر سلامتی ہو- میں تمہارے ساتھ ملکر اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں- امابعد: مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) کا خط میرے پاس آیا ہے جس میں انہوں نے مجھے تمہاری رائے کی عمدگی اور تمہارے سرداروں کے ہماری مدد پر متفق ہونے، تمہارے اور ہمارے حق کا مطالبہ کرنے کی اطلاع دی ہے، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ عمدہ طور پر ہمارا کام کر دے اور تم لوگوں کو اس کا بڑا اجر دے اور میں نے 8 ذوالحجہ یوم الترویہ کو بروز منگل تمہاری طرف کوچ کیا ہے پس جب میرا ایلچی تمہارے پاس آئے تو اپنے معاملہ کو پوشیدہ رکھنا اور سنجیدہ رہنا اور میں انہی دنوں میں تمہارے پاس آرہا ہوں- ان شاء اللہ! والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت مسلم (رضی اللہ عنہ) کا خط آپؓ کو شہید ہونے سے 27 راتیں پہلے ملا جس کا مضمون یہ تھا:

"امابعد! پیش رو اپنے اہل سے جھوٹ نہیں بولتا بلا شبہ سب اہل کوفہ آپ کے ساتھ ہیں، آپ جب میرے اس خط کو پڑھیں تو آجائیں- والسلام علیکم!"[10]

---

[8] ایضاً، ج:5، ص:354-355

[9] ایضاً، ص:357

[10] ابن کثیر، إسماعیل بن عمر بن کثیر (المتوفی:774ھ)، البدایۃ والنہایۃ، الناشر:، ج:8، ص:168

اجمالی جائزہ:

پہلی بات تو یہ ہے سیّد الشہداء امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے یزید کی بد اعمالیوں کے باوجود ان کے خلاف لوگوں کو نہیں اُبھارا- ہاں اتنا ضرور کیا کہ اپنا ہاتھ مبارک، یزید پلید کے ہاتھ میں نہیں دیا اور جتنے یہ خطوط تھے- یہ اہل کوفہ کے خطوط کے جواب میں تھے، جن میں کوفیوں نے اپنے اوپر ظلم و ستم اور یزیدیوں کی بے دینی اور ان کی شریعت مطہرہ کی کھلم کھلا خلاف ورزیوں کا تذکرہ تھا-

یہ اس بات کی دلیل ہے آپ (رضی اللہ عنہ) نے انہیں یزید کے خلاف نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود بار بار مطالبہ کیا- یہاں تک کہ بعض خطوط میں یہ بھی درج تھا اگر آپؓ تشریف نہیں لاتے تو ہم قیامت کے دن سرخرو ہوں گے کیونکہ ہم نے اپنے تئیں سارے حالات سے آگاہ بھی کیا اور اپنے آپ کو مدد کے لیے پیش کیا- لیکن نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاموش رہے- یہاں تک بھی مرقوم تھا کہ اگر آپؓ نے نظر انداز کیا تو معاذ اللہ ہم بروز محشر اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ مبارک میں شکایت کریں گے- اس لیے جب آپؓ نے کوفہ کی جانب رختِ سفر باندھنے سے پہلے اپنے قریبی احباب سے مشاورت کی تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں سے اکثریت نے کوفہ جانے سے منع فرمایا لیکن آپؓ نے انہیں وہ خطوط دکھائے جن میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہِ مبارک میں جوابدہی کا کہا گیا- اس لیے آپؓ نے آخری فیصلہ یہی فرمایا میں اپنی جان تو اللہ عزوجل کی بارگاہِ اقدس میں پیش کر سکتا ہوں لیکن اس کی بارگاہ میں مجرم کھڑا نہیں ہو سکتا- اس طرح آپؓ نے رخصت کی بجائے عزیمت کا رستہ اختیار کیا-

خطبات مبارکہ

مقامِ بیضہ پر خطبہ مبارک:

"سیّد الشہداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے مقامِ بیضہ پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! بے شک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے بادشاہ کو دیکھے جو ظالم ہو، حرامِ خدا کو حلال سمجھتا ہو، اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑتا ہو، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سُنت کے خلاف عمل کرتا ہو، بندگانِ خدا کے ساتھ ظلم و سرکشی سے پیش آتا ہو اور پھر قولاً یا فعلاً جو شخص مخالفت نہ کرے تو ضرور اللہ پاک اس کو بھی اسی کے اعمال میں شامل کرے گا- خبردار! ان (حکمرانوں) نے شیطان کی اطاعت کو لازم کر لیا ہے اور رحمان کی اطاعت کو ترک کر دیا ہے- فساد کو ظاہر کر دیا ہے اور حدودِ شرع کو معطل کر دیا ہے اور (مالِ) غنیمت کو غصب کر لیا ہے- حرامِ خدا کو حلال اور حلالِ خدا کو حرام کر رکھا ہے- ان پہ اعتراض کرنے کا سب سے زیادہ مجھے حق ہے تمہارے خطوط میرے پاس آئے تمہارے پیامبر میرے پاس تمہاری طرف سے بیعت کرنے کو اس بات پر آئے کہ نہ مجھے (دشمن کے) حوالے کرو گے اور نہ مجھے شرمندہ کرو گے- پس اگر تم اپنی بیعتوں کو پورا کرو گے تو بہرہ مند ہو گے- مَیں حسین بن علی و فاطمہؓ بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرزند ہوں، میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ ہے اور میرے اہل و عیال تمہارے اہل و عیال کے ساتھ ہیں- پس میں تمہارا رہنما ہوں اگر تم نے ایسا نہ کیا اور اپنے وعدے کو توڑا اور میری بیعت کو اپنی گردن سے نکال ڈالا تو قسم ہے اپنی جان کی! یہ بات تمہاری کوئی نئی بات نہیں ہے یہی سلوک تم نے میرے باپ اور میرے بھائی اور چچازاد بھائی مسلم (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ اختیار کیا- جس نے تم پر بھروسہ کیا اس نے دھوکا کھایا اور جس نے بدعہدی کی تو اس نے اپنے نفس کے لیے کی تم چوک گئے اور بے بہرا رہے، اور جس نے عہد کو توڑا تو اس نے اپنا ہی نقصان کیا اور اللہ پاک تم سے بے نیاز کر دے گا-[11]

شب عاشواء کا خطبہ مبارک:

سیدنا امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا:

[11] ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوك، باب: ذكر الخبر عن مراسله الكوفيين الحسين عليه الصلوة والسلام، ج:5، ص:403-

"شام کو سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنے اصحاب کو جمع فرمایا، تو میں قریب ہو گیا کہ سنوں کہ آپؓ کیا فرماتے ہیں، حالانکہ میں مریض تھا- پس میں نے سنا کہ میرے والدِ محترم اپنے ساتھیوں سے فرما رہے تھے - میں اللہ تعالیٰ کی بہترین حمد و ثنا بجالاتا ہوں اور راحت و مصیبت میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں - اے اللہ! میں تیرا شکر بجالاتا ہوں کہ تو نے ہم لوگوں کو نبوت کی کرامت عطا فرمائی اور ہمیں قرآن کی تعلیم عطا فرمائی- ہم کو (اپنے دینِ اسلام) کی فہم عطا فرمائی - ہم کو سماعت و بصارت عطا فرمائی اور ہم کو مشرکین میں سے نہ بنایا- اس کے بعد مجھے یہ کہنا ہے کہ اپنے انصار سے افضل و بہتر انصار اور اپنے اہل بیت سے زیادہ وفادار و فرمانبردار اہلِ بیت میں نے نہیں دیکھے- پس میری طرف اللہ تعالیٰ تمام کو بہترین جزا عطا فرمائے- سنو! ان دشمنوں کے ہاتھوں صبح ہماری شہادت ہے اور سنو! تم سب کے بارے میں میری یہ رائے ہو چکی ہے میری اجازت سے سب چلے جاؤ- میری طرف سے تم پر کوئی روک نہیں ہے- دیکھو! رات کی تاریکی چھائی ہوئی ہے اسے غنیمت سمجھو"-[12]

خطبہ نمبر:3

جب رات ہوئی تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا:

"دیکھو! رات کی تاریکی چھائی ہوئی ہے اسے غنیمت جانو، تم میں سے ایک ایک شخص میرے اہلِ بیت (رضی اللہ عنہم) میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ لے، پھر جب تم لوگ اپنے اپنے قصبوں میں، شہروں میں نکل جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تم کو اطمینان عطا فرما دے- یہ لوگ میرے طلب گار ہیں اور اگر مجھے شہید کر لیں گے تو پھر کسی اور کا بھی خیال نہیں کریں گے، (حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی یہ بات سن کر) آپؓ کے بھائی، بیٹے، بھتیجے، حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کے دونوں بیٹے (بھانجے) سب عرض گزار ہوئے ہم سے یہ نہیں ہو گا کہ آپؓ کے بعد ہم زندہ رہیں- اللہ تعالیٰ وہ دن ہم کو نہ دکھائے، سب سے پہلے حضرت عباس بن علی (رضی اللہ عنہما) نے یہ کلمہ ادا فرمایا- پھر سب نے اسی طرح کے کلام ارشاد فرمائے، پھر امام عالی مقام سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا: اے اولادِ عقیل! مسلم کا شہید ہونا تمہارے لیے کافی ہے تم چلے جاؤ- تحقیق میں تم کو اجازت دیتا ہوں، تو تمام رفقاء کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کی! لوگ کیا کہیں گے؟ یہی کہیں گے کہ ہم نے اپنے بزرگ اور اپنے سردار اور ان کے ساتھ اپنے بنی عم کو جو بہترین عم تھے چھوڑ کر چلے آئے، نہ ان کے ساتھ برچھی کا وار کیا اور نہ کوئی تلوار کا ہاتھ مارا اور یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ ان پر کیا گزری- نہیں! اللہ کی قسم! ہم ایسا نہیں کریں گے- بلکہ ہم اپنی جانیں، اپنا مال، اپنے اہل و عیال کو اپنے آپ پر فدا کر دیں گے اور ہم آپؓ کے ساتھ شامل ہو کر قتال کریں گے - اللہ تعالیٰ وہ زندگی عطا نہ فرمائے جو آپؓ کے بعد ہو، مسلم بن عُوسجہ اسدی (رضی اللہ عنہ) کھڑے ہوئے اور عرض کی: کیا ہم آپؓ کو چھوڑ کر چلے جائیں اور ابھی تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں آپؓ کے حقوق سے ہم سبکدوش نہیں ہوئے اور اللہ کی قسم! جب تک میری برچھی ان لوگوں کے سینے میں ٹوٹ کر نہ رہ جائے اور میں ان سے اپنی تلوار کے ساتھ لڑوں گا- جب تک اس (تلوار) کا قبضہ میرے ہاتھ میں ہے اور مَیں آپؓ سے جدا نہیں ہوں گا- اگر ان سے لڑنے کے لیے ہتھیار میرے پاس نہ ہوتے تو میں آپؓ کی امداد میں انہیں پتھر مار مار کر آپؓ کی رفاقت میں شہید ہو جاتا- حضرت سعد بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی: ہم آپؓ سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اللہ پاک ملاحظہ فرمالے کہ ہم نے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی (بظاہر ظاہری) عدم موجودگی میں آپؓ کے ساتھ حفاظت میں رہے- اللہ کی قسم! اگر میں جان لیتا کہ میں شہید ہو جاؤں گا، پھر زندہ کیا جاؤں گا پھر زندہ جلا دیا جاؤں گا، پھر میری خاک اڑا دی جائے گی اور یہ حالت ستر مرتبہ مجھ پر ایسے گزرے گی تو جب تک آپؓ کی امداد میں میری شہادت نہ ہوتی تو میں جناب کی ذات مبارکہ سے جدا نہ ہوتا- پس یہ (جدا ہونا) کیسے ممکن ہو سکتا ہے میں (کبھی بھی) ایسا نہیں

[12] ایضاً، ص:418

کروں گا اور اب تو ایک ہی مرتبہ شہید ہونا ہے اور اس میں وہ شرف و کرامت ہے جس کا ابد تک زوال نہیں۔ حضرت زہیر بن قَیْن (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی واللہ! میں ضرور یہ چاہتا ہوں کہ شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں اسی طرح ہزار دفعہ شہید ہوں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ آپؓ کی ذات مبارکہ کو آپؓ کے اہل بیت (رضی اللہ عنہم) کے ان نوجوانوں کو بچالے۔ اسی طرح ایک ہی طرح کے ایک دوسرے سے ملتے جلتے کلام آپؓ کے رفقاء کرام (رضی اللہ عنہم) نے ادا کیے۔ پس ان سب نے عرض کی اللہ کی قسم! ہم آپ (رضی اللہ عنہ) کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ بلکہ آپؓ کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کریں گے۔ ہم اپنے ہاتھوں، اپنی گردنوں اور اپنی پیشانیوں سے آپؓ کو بچائیں گے۔ پس جب ہم شہید ہو جائیں گے تو وہ حق جو ہم پر ہے پورا ادا ہو جائے گا"۔[13]

خطبہ نمبر:4

سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کے شان کے مطابق فرمایا اور پھر سیدنا حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کرام (علیہم السلام) پر درود کا نذرانہ پیش فرمایا۔ اس کے بعد آپؓ نے فرمایا:

"اے لوگو! میرے حسب و نسب پر غور کرو اور دیکھو تو سہی میں کون ہوں۔ پھر اپنی طرف غور کرو اور اپنے آپ پر ملامت کرو اور غور کرو کہ آیا تمہارے لیے میرا قتل کرنا اور میری عزت کا خیال نہ کرنا روا ہے؟ کیا میں تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صاحبزادی کا بیٹا نہیں ہوں؟ اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وصی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچا کے بیٹے کا بیٹا نہیں ہوں جو (بچوں میں) سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے اور سیدنا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے لے کر تشریف لائے اس کی تصدیق کرنے والے ہیں؟ اور کیا حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) جو سید الشہداء ہیں وہ میرے والد کے چچا نہیں ہیں؟ اور حضرت جعفر طیار شہید ذوالجناحین میرے چچا نہیں ہیں؟ اور کیا تم تک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ قول مبارک نہیں پہنچا ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے اور میرے بھائی حسن (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: "یہ میرے دونوں جوانان اہلِ بہشت کے سردار ہیں"۔ پس اگر تم میری ان باتوں کی جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں تصدیق کرو تو یہ سب کچھ حق ہے"۔[14]

خطبہ نمبر:5

محمد بن حسن (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جب عمر بن سعد "سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ)" کی بارگاہِ اقدس میں آیا اور آپؓ کو یقین ہو گیا کہ وہ آپؓ کو شہید کرنے والے ہیں تو آپؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی۔ پھر آپؓ نے ارشاد فرمایا:

"جو معاملہ در پیش ہے تم سب اس کو دیکھ رہے ہو، اور بے شک دنیا تبدیل ہو گئی ہے اور اچھی حالت سے نکل کر بری حالت کی طرف چلی گئی ہے اور دنیا کی اچھائی نے پیٹھ پھیر لی ہے اور (اس کی یہ حالت برقرار ہے) یہاں تک کہ اس میں اتنا کچھ باقی رہ گیا ہے جتنا کہ برتن کا دھوون یا زندگی کا حقیر حصہ جیسا کہ بُری چراگاہ۔ کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ حق پہ عمل نہیں ہو رہا اور باطل ہے کہ اس سے منہ ہی نہیں موڑا جا رہا؟ مومن کو چاہیے کہ وہ حق پہ رہ کر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق رکھے اور (لیکن ان حالات میں) مَیں بے شک شہادت کو سعادت شمار کرتا ہوں اور ظالموں میں زندگی بسر کرنا مجھے ناپسندیدہ ہے"۔[15]

اجمالی جائزہ:

سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) سن 61ھ میں دنیا اور لوگوں کی حالت کو بیان فرما رہے ہیں۔ ابھی تو حضور نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ظاہری طور پر رخصت ہوئے صرف "50" سال گزرے تھے۔ ابھی تو براہِ راست حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہدایت پانے والے بزرگ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) موجود تھے

[13] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ (الناشر: دار إحیاء التراث العربي، الطبعۃ: الأولی 1408ھ)، باب: ثُمَّ دَخَلَتْ سَنَةُ إحدی وستین، ج:8، ص:191۔192۔
[14] ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوك، باب، مقتل الْحُسَيْن رضوان الله عَلَيْهِ، ج:5، ص:424۔
[15] الطبرانی، المعجم الکبیر، باب: الحسین بن علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث:2842، ج:3، ص:114۔

لوگ ان سے دین کی رہنمائی اور ہدایت لے سکتے تھے- لیکن پھر بھی دنیا کی رنگینیوں نے اپنا جادو کیسا دکھایا- اگر یزید اور یزیدیوں کو نسبتِ رسول اللہ (ﷺ) کا ذرا سا بھی لحاظ ہوتا تو خاندانِ نبوت سے ایسا رویہ کبھی اختیار نہ کرتے-

جے کجھ مُلاحظہ سرورؐ دا کردے تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ھو
جے کر مَندے بیعت رَسُولی پانی کیوں بند کردے ھو

خطوط کی طرح خطبات مبارکہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ آپؓ سب کچھ اتمامِ حجت کے لیے کر رہے تھے تاکہ روزِ محشر کسی کے پاس کوئی عُذر نہ رہے کہ نواسۂ رسول (ﷺ) نے ہماری رہنمائی نہیں کی اور ہم لاعلم رہے ورنہ اگر ہمیں علم ہوتا تو کبھی غلط حرکت نہ کرتے اور اگر یزید کی من مانیوں کے بارے ہمیں علم ہوتا اور ہماری کوئی رہبری کرتا تو ضرور باہر نکل کر ہمیں جہاد کرتے- دراصل آپؓ نے قیامت تک کے لیے تمام لوگوں کو حق پہ ڈٹنے، اللہ عزوجل کی بارگاہ مبارک میں تن، من، دھن کی قربانی پیش کرنے اور باطل کے سامنے سرنگوں نہ ہونے اور مرعوب نہ ہونے کا درس دیا- اس لیے کہا جاتا ہے کہ سید الشہداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے "کلمہ طیبہ کا نقش" کربلا کی ریت پر تحریر کر دیا-

اختتامیہ:

اگر اللہ عزوجل انسان کے دل پہ مہر نہ لگائے اور انسان کی آنکھوں پہ غفلت کی پٹی نہ چڑھ جائے تو یہ چیز بخوبی سمجھ آجاتی ہے کہ جب سیّد الشہداء سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو نہ تو آپؓ نے ملت کے سوادِ اعظم اہلِ سنت کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی اور نہ انہیں اپنے ساتھ مل کر دشمن کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی اور نہ ہی بھاری قسم کا لشکری ساز و سامان اکٹھا فرمایا- کیونکہ آپؓ کے پیش نظر کسی سے جنگ کرنا نہ تھا کیونکہ جنگ کے ارادے سے جانے والا اپنے ساتھ ایک عظیم لشکر، اسلحہ اور دیگر جنگی سامان وافر مقدار میں لے کر جاتا ہے- وہ اپنے ساتھ عورتیں، بچے اور معمولی ساز و سامان ساتھ نہیں لے جاتا- لیکن باوجود قلیل ساز و سامان اور تعداد میں کم ہونے کے باوجود نواسۂ رسول (ﷺ)، جگر گوشہِ بتول سلام اللہ علیہا سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے جس کمال صبر و استقامت اور اللہ عزوجل کی رضا پہ مرمٹنا سکھایا وہ اپنی مثال آپ ہے- بڑی تعداد میں ہونے اور حکومت میں ہونے کے باوجود یزیدی بھیڑوں کو حسینی شیروں کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ تھی- اس لیے انہوں نے عذر تلاش کرنے شروع کئے اور دریائے فرات پہ پہرے بیٹھا کر پانی بند کر دیا- لیکن ان تمام ناکہ پابندیوں کے باوجود سید الشہداء سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے رفقاء کرام (رضی اللہ عنہم) کے عزم و استقلال میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں ہوئی- یہ وجہ ہے کہ بالآخر جب دس محرم کی رات آئی تو سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنی اہلِ بیت اور اصحاب (رضی اللہ عنہم) کو جمع فرما کر خطبہ ارشاد فرمایا: یزیدیوں کو مجھ سے غرض ہے اس لیے تم میں سے جو جانا چاہے وہ چلا جائے- لیکن ان غیور، وفادار اور عزم و ہمت کے پیکر رفقاء نے عرض کی:

"لَا أَبْقَانَا اللهُ بَعْدَكَ، وَاللهِ لَا نُفَارِقُكَ"[16]

"اللہ تعالیٰ ہم کو تمہارے بعد ہم کو باقی نہ رکھے، اور اللہ کی قسم ہم آپ (رضی اللہ عنہ) سے جدا نہیں ہوں گے"-

انہوں نے اپنے اس وعدے کو سچ کر دکھایا اور آخر دم تک آپؓ کی رفاقت کی سعادت سے بہرہ مند رہے- تمام رفقاء کرام (رضی اللہ عنہم) کی شہادت کے بعد آپؓ اللہ تعالیٰ کی رضا پہ لبیک کہتے ہوئے اپنا تن، من، دھن اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر گئے اور بوقت شہادت "آپؓ کے جسم مبارک پہ 33 زخم کے نشان تھے"-[17] درحقیقت آپؓ رہتی دنیا تک یہ مثال قائم فرما گئے کہ اللہ پاک کی رضا کیلیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے-

☆☆☆

[16] سیر اعلام النبلاء باب: الحُسَيْنُ الشَّهِيْدُ أَبُو عَبْدِ اللهِ بنُ عَلِيِّ بنِ أَبِي طَالِبٍ بنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ (رضی اللہ عنہ)
[17] ایضاً

مفتی محمد صدیق خان قادری

اگر ہم تھوڑا سا غور کریں تو یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی شہادت کا چرچا کسی کے شہید ہونے کے بعد ہوتا ہے لیکن اگر ہم احادیث و آثار کا مطالعہ کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کا تذکرہ آپؓ کے شہید ہونے سے پہلے ہی ملتا ہے-زیر نظر مضمون میں ہم آپ کی شہادت کا تذکرہ چند احادیث مبارکہ کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں-

حضرت ام فضل بنت حارث سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں نے آج رات ایک ناپسندیدہ خواب دیکھا ہے-آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کیا دیکھا ہے؟ انہوں نے عرض کی: میں نے دیکھا کہ گویا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈال دیا گیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا تم نے اچھا خواب دیکھا ہے-میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں بیٹے کی ولادت ہو گی اور وہ تمہاری گود میں دیا جائے گا-پھر حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی ولادت باسعادت ہوئی تو وہ میری گود میں رہے جیسا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا تھا-ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئی اور امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو آپ کی گود میں دے دیا پھر میں نے اچانک دیکھا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آنکھوں مبارک سے آنسو بہہ رہے تھے آپؐ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے ماں باپ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر قربان ہوں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیوں اس قدر رنجیدہ ہو گئے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میرے پاس جبرائیل امین آئے تھے اور مجھے خبر دی کہ میری امت میرے اس بیٹے کو شہید کر دے گی-میں نے عرض کیا اس بیٹے (حسینؓ) کو، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہاں! اور میرے پاس اس کے مقتل کی سرخ مٹی بھی لے کر آئے ہیں"-[1]

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ:

"بارش کے فرشتے نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ وہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت سے مشرف ہو تو اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت عطا فرمائی-آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس دن حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس موجود تھے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے فرمایا ہمارے لئے دروازے پر پہرہ دیں کہ کوئی ہمارے پاس نہ آئے جب وہ دروازے پر مامور تھیں تو حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) آئے اور اندر جانے میں کامیاب ہو گئے اور حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پشت مبارک پر اچھلنے لگے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو بوسے دینے لگے-فرشتے نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ ان سے محبت

[1] (المستدرک للحاکم، باب اول فضائل ابی عبد اللہ الحسین بن علیؓ)

(المعجم الکبیر للطبرانی، جز:1، ص:246)

کرتے ہیں؟ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا ہاں! اس نے عرض کی آپ کی امت عنقریب انہیں شہید کر دے گی- اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھا سکتا ہوں جہاں انہیں شہید کیا جائے گا- آپ (ﷺ) نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے- پھر انہوں نے اس جگہ سے جہاں انہیں شہید کیا جانا تھا مٹھی بھر مٹی لی اور آپ کو وہ جگہ بھی دکھائی وہ آپ کے پاس زرخیز یا سرخ مٹی لے کر آئے، اس مٹی کو ام سلمہ نے لے کر اپنے کپڑے میں رکھ لیا"-[2]

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! کیا میں تمہیں عجیب بات نہ بتاؤں ابھی میرے پاس ایک فرشتہ آیا جو کبھی میرے پاس نہیں آیا تھا اس نے کہا بے شک میرا یہ بیٹا شہید ہے اور کہا اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ مٹی بھی دکھا سکتا ہوں جس میں یہ شہید ہو گا- پھر فرشتے نے وہ مٹی اپنے ہاتھ میں لی اور مجھے وہ سرخ مٹی دکھائی"-[3]

حضرت عبد اللہ بن نجی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

"انہوں نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ سفر کیا اور وہ آپؓ کی طہارت کا برتن اٹھانے والے تھے، صفین کی طرف جاتے ہوئے راستے میں جب نینوٰی کے مقابل پہنچے تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے دریائے فرات کے کنارے ندا دی ابو عبد اللہ ٹھہر جاؤ، ابو عبد اللہ ٹھہر جاؤ- میں نے عرض کی کیا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک دن آپ (ﷺ) کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا جبکہ آپ (ﷺ) کی چشمان مقدس سے آنسو جاری تھے- میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ (ﷺ)! آپ کو کس نے غمناک کر دیا کہ آپ (ﷺ) کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں- آپ (ﷺ) نے فرمایا ایسا کیوں نہ ہو میرے پاس سے ابھی جبرائیل روانہ ہوئے ہیں انہوں نے مجھے بتایا کہ بے شک میرا بیٹا حسین (رضی اللہ عنہ) دریائے فرات کے کنارے شہید کیا جائے گا- جبرائیل نے عرض کیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو ان کی شہادت گاہ کی مٹی سونگھاؤں- آپ (ﷺ) نے فرمایا ہاں: انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور مٹی کی ایک مشت بھری اور مجھے دی تو میں اپنی آنکھوں کو بہنے سے نہیں روک سکا"-[4]

حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ:

"ایک دن نصف النھار کے وقت میں نے رسول کریم (ﷺ) کو خواب میں دیکھا کہ آپ غبار آلود کھڑے ہیں اور آپ (ﷺ) کے دست مبارک میں شیشی ہے جس میں خون ہے- میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں ! یہ کیا چیز ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا میرے بیٹے حسین (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے اور میں اسے سارا دن جمع کرتا رہا ہوں- پس ہم نے اس دن کا شمار کیا، راوی کہتے ہیں کہ انہیں معلوم ہو گیا کہ ٹھیک اسی دن امام حسین (رضی اللہ عنہ) شہید کئے گئے تھے"-[5]

حضرت سلمٰی (رضی اللہ عنہا) بیان کرتی ہیں کہ:

"میں حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وہ رو رہیں تھیں- میں نے عرض کیا آپ کس وجہ سے رو رہیں ہیں- انہوں نے فرمایا کہ میں نے (خواب میں) رسول اللہ (ﷺ) کو دیکھا ہے اور آپ (ﷺ) کے سر انور اور ریش مبارک پر مٹی پڑی ہے- میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ کو کیا ہوا ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا میں ابھی حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت دیکھ کر آیا ہوں"-[6]

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

---

[2] (صحیح ابن حبان، ذکر الاخبار عن قتل ھذہ الامۃ ابن ابنۃ المصطفٰی)
(المعجم الکبیر للطبرانی باب الحسین بن علی بن ابی طالب)

[3] (المعجم الکبیر للطبرانی باب الحسین بن علی بن ابی طالب)

[4] (مسند ابی یعلی الموصلی / مسند علی بن ابی طالب)
(الشریعۃ للآجری، باب اخبار النبی بقتل الحسینؓ)

[5] (فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل، باب فضائل الحسن والحسین)
(المستدرک للحاکم، کتاب تعبیر الرؤیا)

[6] (سنن ترمذی، باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی والحسین بن علیؓ)

"جب حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کا سر مبارک طشت میں رکھ کر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ چھڑی سے ٹھونگے مارنے لگا اور آپ (رضی اللہ عنہ) کے حسن و جمال پر نکتہ چینی کرنے لگا- حضرت انس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا وہ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سب سے زیادہ مشابہ تھے- امام عالی مقام نے وسمہ کا خضاب استعمال کیا ہوا تھا"-[7]

حضرت ابن ابی نعم (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے سنا کہ کسی نے حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے احرام باندھنے والے کے متعلق مسئلہ دریافت کیا- شعبہ فرماتے ہیں میرے خیال میں جو حالت احرام میں مکھی مارے (اس کے متعلق فتوٰی پوچھا) تو آپ نے فرمایا:

"اہل عراق مکھی مارنے کا حکم پوچھتے ہیں حالانکہ انہوں نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نواسے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دیا ہے جن کے بارے آپ نے ارشاد فرمایا وہ دونوں (حسن، حسین) گلشن دنیا کے میرے دو پھول ہیں"-[8]

عمار الدہنی بیان کرتے ہیں کہ:

"حضرت علی (رضی اللہ عنہ) حضرت کعب کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا اس شخص کی اولاد میں سے ایک شخص کو ایک جماعت میں شہید کیا جائے گا- ان کے گھوڑوں کا پسینہ اس وقت تک خشک نہیں ہو گا جب تک وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک نہیں پہنچ جاتے- حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) وہاں سے گزرے تو انہوں نے کہا: اے ابو اسحاق کیا یہ ہیں- انہوں نے کہا نہیں - پھر حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) گزرے تو لوگوں نے کہا: کیا یہ ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں یہی ہیں"-[9]

حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ

"ہمیں اور اکثر اہل بیت کو اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا کہ حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کربلا میں شہید ہوں گے"-[10]

☆☆☆

[7] (صحیح بخاری، باب مناقب الحسن والحسین)

[8] (ایضاً)

[9] (المعجم الکبیر للطبرانی باب الحسین بن علی بن ابی طالب)

[10] (المستدرک للحاکم، اول فضائل ابی عبد اللہ الحسین بن علی)

فلسفۂ فضیلت اور تعلیماتِ حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ میں سادات پاک (رضی اللہ عنہم) کا مقام

مفتی محمد شیر القادری
صدر تحقیق: جامعہ غوثیہ عزیزیہ انوارِ حق باھو سلطان

اللہ تعالیٰ نے کسی بھی چیز کو فضول پیدا نہیں کیا بلکہ ہر ایک چیز کو مختلف خوبیوں اور فضیلتوں کے ساتھ نوازا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر ایک کی خوبی اور فضیلت تک ہر ایک کی رسائی نہ ہو سکے- جب کسی چیز کی فضیلت بیان کی ہے، تو اِس فضیلت کے پسِ منظر میں متکلم کے کچھ مقاصد پوشیدہ ہوتے ہیں، جو قارئین کرام کیلئے خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں- اگر فضیلت کے پسِ منظر میں پوشیدہ مقاصد اور حکمت کو نہ سمجھا جائے تو پھر آدمی فضیلت کے ابواب بھی پڑھے گا، بیان بھی کرے گا، لیکن کوئی انقلابی قدم نہیں اُٹھا سکے گا اور اپنے باطن میں نہ اپنے ہم مجلس لوگوں کی زندگی میں تحرک پیدا کر سکے گا -اگر صاحبِ فضیلت کے فیضان سے زندگی کو مسلسل متحرک اور بامقصد بنانا چاہے ہیں تو فلسفۂ فضیلت کو سمجھنا ضروری ہو گا-

اس نکتہ کو ایک مثال سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک آدمی کو اپنے بچوں کی ٹیوشن کیلئے ایک استاد کی ضرورت تھی، اُس آدمی نے بڑی کوشش کے بعد ایک استاد تلاش کر لیا، استاد نے پڑھانا شروع کیا، لیکن بچے اُستاد کی بات پر توجہ نہیں دیتے تھے، والد نے کافی سوچا کہ کیا کیا جائے، کافی سوچ وبچار کے بعد ایک ترکیب ذہن میں آئی، آخر کار ایک دن اُس نے بچوں کو بٹھایا اور فرمایا: کہ میرے پیارے بچو! کیا آپ کو معلوم ہے؟ کہ آپ کا استاد کتنا بڑا آدمی ہے؟ کتنی تعلیم ہے؟ کس کس یونیورسٹی سے اس نے گولڈ میڈل حاصل کیا ہے؟ اُستاد صاحب کی تعریف و توصیف جو کرنی شروع کی تو مسلسل کرتا گیا اور بچے لکھتے گئے، بچے بڑے خوش ہوئے، بچوں نے اُستاد کے فضائل بیان کرنا شروع کر دیئے، محلے میں یا جہاں کہیں جاتے، تو وہاں اُستاد صاحب کے فضائل بیان کرتے، لیکن سبق میں اُن کی روٹین نہ بدلی اور نہ ہی استاد صاحب کی کسی عادت اور وصف کو اپنایا- آپ مجھے بتائیں بچوں کے والد کی اُستاد صاحب کی فضیلت بیان کرنے کی یہی غرض تھی؟ جو بچوں نے سمجھی؟ تو اس کا یہی جواب ہو سکتا ہے کہ نہیں !- والد محترم کا استاد کی فضیلت بیان کرنے کا ہر گز یہ مقصد نہیں تھا جو بچوں نے سمجھا-

در اصل! والد کو بچوں کی کامیابی مطلوب تھی، اُن کا محنتی بننا مطلوب تھا، اُستاد صاحب کے اوصاف و کمالات اور اُن کی حُسنِ سیرت میں ڈھالنا مقصود تھا، تو اُس کا صرف یہی راستہ ہی زود اثر ثابت ہو سکتا تھا کہ اُستاد صاحب کی عظمت ان کے سینوں میں بٹھائی جائے، جو صرف تعریف و توصیف اور کمالات و فضائل بیان کرنے سے ہی ممکن ہے- جس کے نتیجے میں اُن کے دلوں میں استاد صاحب کی محبت پیدا ہو گی، وہ استاد کے قریب ہوں گے اور اُن کے کردار کو اپنائیں گے- اُن کے نقشِ قدم پہ چلیں گے اور یقیناً کامیاب ہوں گے-

یہ ہے فلسفۂ فضیلت کہ فضیلت بیان کرنے کا پسِ منظر کیا ہوتا ہے- جب قرآن مجید کی فضیلت بیان کی جاتی ہے تو تعلیماتِ قرآن مجید پر عمل کروانا مقصود ہوتا ہے، جو انسان کی کامیابی کی ضمانت ہے-

اِسی طرح جب اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کے فضائل و مناقب بیان کئے جاتے ہیں تو مقصد دراصل اُن کے نقشِ قدم پر چلانا اور اُن نفوسِ قدسیہ کے کردار میں ڈھالنا ہوتا ہے- تاکہ اقتداء کرنے والوں کیلئے کامیابی و کامرانی کو یقینی بنایا جائے- جیسا کہ حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"تم میں اہلِ بیت کی مثال وہی ہے جو حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم میں اُن کی کشتی کی تھی، جو اس میں سوار ہو گیا، وہ بچ گیا اور جو اِس سے رَہ گیا وہ غرق ہو گیا"-[1]

اس حدیث پاک میں کشتی میں سوار ہونے سے مُراد اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کے نقش قدم پر چلنا ہے، جو آدمی کو گمراہی سے نجات پانے کی مکمل گارنٹی فراہم کرتا ہے-

آج ہماری ساری تقریریں فضائل و کرامات پہ ہوتی ہیں، اگر بزرگانِ دین کے اعراس بھی ہوتے ہیں تو صاحبِ مزار کی کرامات بیان کرتے کرتے سارا وقت گزار دیا جاتا ہے، کرامات بیان کرنے سے تو یہ کہیں زیادہ بہتر ہوتا کہ صاحبِ مزار کے کردار کو بیان کیا جاتا، اُس کی عبادت و ریاضت کو بیان کیا جاتا، اس کے مجاہدہ کو بیان کیا جاتا، اس کی تحریک کو بیان کیا جاتا، دین کے لئے اس کی قربانیوں کو بیان کیا جاتا، تاکہ مریدین اور متعلقین کیلئے ان کے کردار میں ڈھلنے کا شوق پیدا ہوتا اور وہ ایک تحرک کی زندگی کے راستے پہ گامزن ہوتے- حق تو یہی تھا!-

اسی طرح اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کے کردار کو بیان کیا جاتا، اُن کی دین کیلئے دی جانے والی قربانیوں کو بیان کیا جاتا، تاکہ اُمت مسلمہ کے نوجوانوں میں شوقِ شہادت اور جزبۂ حُریّت پیدا ہوتا، فضائل بیان کرنے کا مقصد تو یہ تھا، لیکن ہم نے فضائل بیان کرنے کے مقاصد پہ توجہ نہ کی، بلکہ فضائل و کرامات بیان کرنے کو ہی فقط اپنی دینداری سمجھا- جس کی وجہ سے تحرک والی زندگی سے سینے خالی کر بیٹھے- حالانکہ اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کی پیروی میں ہی ہماری سلامتی رکھ دی گئی ہے- جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"ستارے آسمان والوں کے لیے سلامتی کا باعث ہیں، جب ستارے جھڑ جائیں گے، آسمان والے فنا ہو جائیں گے اور ایسے ہی میرے اہلِ بیت زمین والوں کے لیے سلامتی کا باعث ہیں جب یہ نہ ہوں گے، تو اہلِ زمین بھی ختم ہو جائیں گے"-[2]

یہی وجہ ہے کہ سادات کے ساتھ محبت کرنا، محبت کا مؤدت کے درجے میں ہونا، اُن کی وابستگی کو ہمیشہ مضبوط رکھنا اور اُن کے ادب و احترام کو بجالانا یہ ہمارے اوپر لازم قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ ذُریّتِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے- زمین و آسمان کے درمیان اِن سے کوئی اعلیٰ و افضل ذُریّت نہیں ہے-

حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"بے شک اللہ پاک نے ہر نبی کی ذریت کو اس نبی کی صلب سے پیدا فرمایا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے میری ذریت کو علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کی صلب سے پیدا فرمایا ہے"-[3]

حضرت فاطمہ کُبریٰ (رضی اللہ عنہا) روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"ہر ماں کا بیٹا اپنے عصبہ کی طرف منسوب ہوتا ہے سوائے (حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی اولاد کے- پس میں اُن کا ولی اور اُن کا عصبہ ہوں"-

ایک اور روایت میں ہے:

"پس بے شک میں اُن کا عصبہ اور اُن کا باپ ہوں"-[4]

[1] (المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب معرفة الصحابة، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت)
[2] (فضائل الصحابة: ج:2 ص:671، الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت)
[3] (المعجم الكبير، ج:3، ص:43، دار النشر: مكتبة ابن تيمية- القاهرة)
(مجمع الزوائد، كتاب المناقب، جلد:9، ص:172، الناشر: مكتبة القدسي، القاهرة)
[4] (مسند أبي يعلى، جلد:12، ص:، 109، الناشر: دار المأمون للتراث- دمشق)

اس لئے اولادِ علی (رضی اللہ عنہم) اولادِ مُصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ یعنی شہزادگان حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) شہزادگان رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"یہ دونوں میرے بیٹے اور میرے نواسے ہیں، اے اللہ! میں اِن دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اِن سے محبت کر اور اُس سے بھی محبت کر جو ان سے محبت کرے"۔[5]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (رضی اللہ عنہ) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"کوئی بندہ اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ مَیں اُس کے نزدیک اُس کی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں اور میرے اہلِ بیت اُسے اُس کے اہل خانہ سے محبوب تر نہ ہو جائیں اور میری اولاد اُسے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جائے اور میری ذات اُسے اپنی ذات سے بڑھ کر محبوب تر نہ ہو جائے"۔[6]

امیر المومنین سیدنا حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) سے محبت و عقیدت دیکھیں۔ سیدنا امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) صحیح بخاری شریف میں روایت نقل کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

"اُس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرے نزدیک اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک کرنا میرے اپنے اہل قربت کے ساتھ حسن سلوک سے زیادہ محبوب ہے"۔[7]

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ:

"جس نے حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) سے محبت کی پس تحقیق اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں کو ناراض کیا پس تحقیق اُس نے مجھے ناراض کیا"۔[8]

حضرت سلمان (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

"حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) میرے بیٹے ہیں جس نے ان دونوں سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی جس نے مجھ سے محبت کی اللہ اُس سے محبت فرمائے گا اور جس سے اللہ محبت فرمائے گا اُس کو جنت میں داخل کرے گا اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا، اللہ اُس سے ناراض ہو گا اور جس سے اللہ ناراض ہو گا، اُسے جہنم میں داخل کرے گا"۔

یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔[9]

سُلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) نور الھدیٰ شریف میں لکھتے ہیں:

دشمنِ سادات دشمنِ مصطفیٰؐ
ہر کہ دشمن مصطفیٰؐ دشمن خدا

"سادات کا دشمن مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دشمن ہے اور مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دشمن اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے"۔

دشمنِ سیّد بود اہل از بلشت
دوست دارِ سیّداں اہل از بہشت

"سادات کا دشمن جہنمی ہے اور سادات کا دوست جنتی ہے"۔

ایک اور مقام پہ لکھتے ہیں:

دشمنِ سیّد بود اہل از خبیث
دوست دارِ سیّد اں اہل از حدیث

"سادات کا دشمن خبیث ہے اور سادات کا دوست سنت کی پیروی کرنے والا ہے"۔

آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نور الھدی میں مزید لکھتے ہیں کہ:

"جو شخص سادات کو رضامند نہیں کرتا اُس کا باطن ہرگز صاف نہیں ہوتا اور وہ معرفتِ الٰہی کو نہیں پہنچتا خواہ وہ زندگی بھر ریاضت کے پتھر سے سر پھوڑتا پھرے کیونکہ خدمتِ سادات خلق کے مخدوموں کا نصیبہ ہے۔

[5](سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ، الناشر: شركة مكتبة-مصر)
[6](المعجم الاوسط: ج:6، ص:59، الناشر: دار الحرمين-القاهرة)
[7](صحيح البخاری، كِتَابُ المَنَاقِب، بَابُ مَنَاقِب قَرَابَةِ رَسُول اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم))
[8](سنن ابن ماجه، ج:1، ص:51، الناشر: دار إحياء الكتب العربية)
[9](المستدرك على الصحيحين للحاكم، وَمِنْ مَنَاقِبِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ ابْنَيِ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ، الناشر: دار الكتب العلمية-بيروت)

جو شخص آلِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام و اولادِ علی وفاطمۃ الزہرہ (رضی اللہ عنہا) کا منکر ہے وہ معرفتِ الٰہی سے محروم ہے"۔

دوست دارم سیّداں نورِ نبیؐ
نور دیدۂ فاطمہ حضرت علی

"مَیں سادات سے دوستی رکھتا ہوں کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور ہیں اور حضرت علی اور حضرت فاطمۃ الزہرہ (رضی اللہ عنہما) کے نورِ نظر ہیں"۔

اہلِ بیتِ اطہار (رضی اللہ عنہم) کی عزت و تکریم:

حضرت ابو سعید خُدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ کی تین حرمات ہیں جو اُن کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے دین و دنیا کے معاملات کی حفاظت فرماتا ہے اور جو ان تین کو ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں فرماتا۔ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ مُبارک میں عرض کیا گیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! وہ کون سی تین حرمات ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: اسلام کی حرمت، میری حرمت اور میرے نسب کی حرمت"۔[10]

حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) نور الھدیٰ میں لکھتے ہیں:

سیّداں را عزّت و شرف از خدا
دشمنِ سیّد بود اہل از ہوا

"بارگاہِ خداوندی سے سادات کو شرف و عزت سے نوازا گیا ہے، سادات کا دشمن کوئی ہوا پرست ہی ہو سکتا ہے"۔ (اہل ایمان نہیں)

خلاصہ کلام:

سادات کرام کا ادب و احترام کرنا ہمارے اوپر لازم ہے۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) نور الھدیٰ شریف میں لکھتے ہیں:

"یاد رہے کہ شیخ و طالب دونوں کے لئے فرضِ عین بھی ہے اور سنتِ عظیم بھی کہ وہ پورے صدق و اخلاص و ارادت کے ساتھ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولادِ پاک کے سامنے سرنگوں رہ کر اُن کی خدمت کریں"۔

بانیٔ اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین شہباز عافاں حضرت سلطان محمد اصغر علی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کا سادات کرام کے ادب و احترام کے حوالے سے عمل مبارک یہ تھا کہ جب کوئی آدمی آپ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوتا اور بیٹھ جاتا، جب تعارف کروانے کی باری آتی اور وہ کہتا کہ میں سید ہوں، حضور مرشد کریم فوراً اُس کے لئے کرسی منگواتے، اُس کے لئے لنگر شریف کا علیحدہ اہتمام کرواتے اور رخصت ہوتے وقت ساتھ چل کر جاتے، خود گاڑی میں بٹھا کے آتے اور بعض دفعہ تو ایسا ہوتا کہ انہیں خالی ہاتھ بالکل نہ بھیجتے اور گاڑی کے روانہ ہونے تک وہاں رُکے رہتے، جب اپنی نشست مبارک پر تشریف لاتے تو فرماتے ہم "سید" کی "س" کو سلام کرتے ہیں۔

آیئے! زندگی کی کچھ مصروفیات کم کر کے آیئے! حضور جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب (مدظلہ الاقدس) کی صحبت و مجلس کا حصہ بنیئے، کیونکہ ادب اور حیا کی دولت تربیت کے فیضان سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ آج معاشرے کو معاشی بحران اور دیگر کئی بحرانوں سے بھی بڑا مسئلہ شرم و حیا اور ادب کے بحران کا مسئلہ ہے، خوراک کی قلت کی وجہ سے تو چند فاقے گزار کر وقت نکالا جا سکتا ہے لیکن شرم و حیا اور ادب کی قلت کی وجہ سے ایک لمحہ بھی نہیں گزارا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایک لمحے کا ادب و حیا سے خالی ہونا وبالِ جان اور وبالِ ایمان ثابت ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین!

☆☆☆

[10] (المعجم الکبیر: ج:3، ص:126، دار النشر: مکتبۃ ابن تیمیۃ – القاھرۃ)
(المعجم الاوسط: ج:1، ص:72، الناشر: دار الحرمین – القاھرۃ)

کلاسیک اردو شعراء کے کلام میں تذکرۂ امام حُسین رضی اللہ عنہ

مستحسن رضا جامی
لیکچرر: گورنمنٹ گریجویٹ کالج جوہر آباد

کلاسیک ادب اردو زبان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے-کلاسیک ادب نے اردو زبان پر ایسے گہرے نقوش چھوڑے ہیں کہ آج کا قاری اساتذہ کی فکر اور اسلوب کا مطالعہ کر کے مبہوت رہ جاتا ہے-اساتذہ کے کلام میں زبان دانی کے ایسے شاہکار نمونے موجود ہیں جن کو دنیا کی دوسری بڑی زبانوں کے ادب کے برابر رکھا جاسکتا ہے-کلاسیک ادب میں غزل کا میدان بے حد زرخیز اور وسیع ہے-غزل کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس نے ہر قسم کے موضوع کو اپنے دامن میں پناہ دی ہے-انہی موضوعات میں سے ایک بڑا، نمایاں اور کامل ترین موضوع شان امام حُسین (رضی اللہ عنہ) و بیانِ واقعاتِ کرب و بلا ہے-اردو ادب کی روایت میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر گزرا ہو جس نے اپنے کلام استعاروں یا موضوعات میں امام حُسین یا اہل بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کا تذکرہ نہ کیا ہو-دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ کلاسیک شعراء نے کئی اصناف میں امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو خراج عقیدت پیش کیا-جس میں قصیدہ، قطعہ، رباعی، سلام، مثنوی، غزل اور سب سے زیادہ مرثیہ کی ہیئت میں کلام لکھا گیا-اس سارے عہد میں زبان دانی عروج پر تھی شعراء تو درکنار عام سامعین بھی زبان دانی کا اور شعر فہمی کا خصوصی ملکہ رکھتے تھے-بارگاہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) میں خراج عقیدت کی بڑی وجہ عقیدت اور محبت کا رنگ بھی ہے-جن چنیدہ شعراء کے اشعار کا انتخاب ہم نے اپنے اس مضمون میں شامل کیا ہے ان کی تفصیل اگلی سطور میں آئے گی-اردو غزل میں موضوعات اور فکر کے حوالے سے سعید عباس سعید کا نقطہ نظر ملاحظہ ہو:

"اردو غزل کی دنیا احساس کی دنیا ہے، جذبات کی دنیا ہے اور کوئی بھی حساس اور گداز دل واقعہ کربلا سے متاثر ہونے سے خود کو نہیں روک سکتا-اُردو غزل میں ذکر کربلا کے حامل اشعار کو اگر جمع کیا جائے تو ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب وجود میں آ جائے-اُردو غزل جوں جوں ترقی کرے گی ذکر حسینؓ و بیان کربلا کی ایسی مثالوں میں توں توں مزید اضافہ ہوتا جائے گا"-[1]

میر تقی میر (المتوفی 20 ستمبر 1810ء) اردو زبان کے واحد ایسے شاعر ہیں جنہیں خدائے سُخن کہا جاتا ہے-میرؔ اردو غزل کے بڑے شعراء میں شمار ہوتے ہیں جن کے بارے میں ناسخؔ کے فتوے پر غالبؔ کی مُہرِ تصدیق موجود ہے کہ "آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں"-میر تقی میرؔ کے ہاں امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی محبت اور عقیدت کا پہلو بہت الگ اور نکھرا ہوا نظر آتا ہے-میرؔ نے امام حُسین (رضی اللہ عنہ) کی پیاس، آپ (رضی اللہ عنہ) کے صبر اور آپ (رضی اللہ عنہ) کے سجدہ شکر کا ذکر کیا ہے جس کی مثالیں عملی طور پر ان کے اشعار میں موجود ہیں-

تشنہ لب مر گئے ترے عاشق
نہ ملی ایک بُوند پانی کی

بارِ سجدہ ادا کیا تہہ تیغ
کب سے یہ بوجھ میرے سر پر تھا

تیغ ستم سے اس کی مرا سر جُدا ہوا
شکرِ خدا کہ حقِ محبت ادا ہوا

[1] اردو غزل میں ذکر کربلا، سعید احمد سعید https://www.alifyar.com/urdu-ghazal-main-zikr-e-karbala

اگر طالع کرے یاری تو مریئے کربلا جا کر
عبیر اپنے کفن کی خاک ہو اس آستانے کی
تلواریں کتنی کھائی ہیں سجدے میں اس طرح
فریادی ہوں گے مَل کے لہو کو جبیں سے ہم

محمد طفیل احمد مصباحی کی میر تقی میرؔ کی قصیدہ گوئی کے حوالے سے رائے ملاحظہ ہو:

"کلیاتِ میر میں چوتھا قصیدۂ منقبت سید الشہداء حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی مدح و ثنا میں ہے، جو 52 اشعار پر مشتمل ہے - میر صاحب نے اس منقبت میں امام عالی مقام کی شایانِ شان توصیف، ان کی ہمت و شجاعت، درد ناک شہادت، نیز ان کی خاکِ در کو "کحل جواہر الابصار" اور روضۂ پاک سے نکلنے والی شعاؤں کو شبِ تاریک کے لیے موجبِ ذلت گردانا ہے"۔[2]

جس قصیدہ کا اوپر ذکر ہوا ہے اس کے کچھ اشعار:

امام ہر دو جہاں جس کے آستانے کی خاک
رکھے ہے رتبۂ کحلِ جواہر الابصار
زہے وہ روضہ جہاں دیدۂ ملک ہیں فرش
قدم کو رکھتے ہوئے ان پہ آتے ہیں زوّار
شعاع روضے کے قبّے کی ہوگی عالم گیر
پھرے گا سایۂ شب اب جہاں میں ہوتا خوار

مرزا رفیع سوداؔ (متوفی:1781) کلاسیک شعراء میں غزل اور قصیدہ گوئی دونوں حوالوں سے جانے جاتے ہیں- ان کا آبائی پیشہ تیغ آزمائی تھا- سوداؔ نے مرثیے بھی لکھے ہیں اردو ادب کے معروف مورخ و محقق ڈاکٹر سلیم اختر کے بقول سوداؔ نے 91 مرثیے لکھے ہیں- اُن کے ہاں مدحتِ امام عالی مقام کس رنگ میں جلوہ گر ہے ان کے مرثیہ سے عملی مثال دیکھیں-

بڑا کیا تھا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جس کو گود میں پال
پھرے تھا ساقیِ کوثر کے دوش پر مہ و سال
گیا جہان سے پیاسا وہ فاطمہ کا لال
عطش ہے تن سے ہوئی روح کی سبب رم کا
ہزار طرح کے دریا رواں تھے دنیا میں
جو کوئی تھا سو وہ سیراب تھا ہر اک جا میں
کئی غریب جو تھے کربلا کے صحرا میں
نصیب اُن کے نہ قطرہ ہوا کسی یم کا

کلاسیک شعرا میں اپنی الگ پہچان اور نمایاں اسلوب کے طور پر جانے والے ایک اور اہم شاعر غلام ہمدانی مصحفیؔ (متوفی:1824) ہیں- مصحفیؔ نے غزل کے آٹھ دیوان چھوڑے ہیں- مصحفیؔ ایک جگہ پہ امام حُسین (رضی اللہ عنہ) کی شان بیان کرتے ہوئے اپنا رنگ عقیدت کچھ اس انداز میں بیان کرتے ہیں-

مصحفیؔ دشتِ بلا کا سفر آسان ہے کیا
سینکڑوں بصرہ و شیراز میں مر جاتے ہیں
کچھ میں شاعر نہیں اے مصحفیؔ ہوں مرثیہ خواں
سوز پڑھ پڑھ کے محبوں کو رلا جاتا ہوں
کربلائے عشق کی عشاق کی
تیغ و خنجر پر ہے مہمانی صریح
رہتا ہے روز و شب انہیں ہر ماہ تعزیہ
کب اہل درد کو ہے محرم کی احتیاج

شیخ امام بخش ناسخؔ (متوفی 15 اگست 1838) کلاسیک ادب میں نویکلے لہجے کے شعراء کے طور پر شمار ہوتے ہیں- ان کی شاعری میں سادگی اور روانی کے ساتھ ساتھ گہرا فلسفہ بھی بین السطور موجود ہے- ناسخ کا عقیدہ یہ ہے کہ غم شبیر میں اشک بہائے بغیر میں خدا کی بارگاہ میں کیسے جاؤں گا- شعر میں عقیدت کا رنگ دیکھئے-

گر نہ ہوتا سرخ رُو اشکِ غمِ شبیرؑ سے
حشر میں کس منہ سے ناسخؔ میں شفاعت مانگتا
فکر کر یعنی تو ناسخؔ کا نہ غم کھا واعظا
شافع اِس کا بادشاہِ کربلا ہو جائے گا
ناسخؔ کی یہ التجا ہے یا رب
مر جاؤں تو خاکِ کربلا ہوں

[2] میر تقی میر کی منقبت نگاری، محمد طفیل احمد مصباحی
http://www.mushahidrazvi.com/2020/01/meer-taqi-meer-ki-manqabat-nigari.html?m=1

خواجہ حیدر علی آتش (متوفی 13 جنوری 1847ء) کلاسیک شعر و ادب میں ممتاز اور منفرد غزل گو کے طور پر جانے جاتے ہیں- ان کی غزل کا نمایاں پہلو رجائی انداز بیان ہے- ان کی غزلیات میں کئی جگہوں پر ایسے اشعار ملتے ہیں جو براہ راست امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی محبت اور عقیدت کے عکاس ہیں- آتش کا شعری وفور اور ذوق اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ امام حُسین (رضی اللہ عنہ) کے دشمن سے کنارہ کشی اختیار کرو- ان کے کلام سے چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

دشمن جو ہو امام علیہ السلام کا
آتشؔ نہ کم سمجھ اسے ابنِ زیاد سے
دعائے آتشؔ خستہ یہی ہے روزِ محشر کو
یہ مشتِ خاک ہوئے کربلا کی خاک سے پیدا

بہادر شاہ ظفرؔ (متوفی 7 نومبر 1862ء) آخری مغل بادشاہ تھے- اردو شعر و ادب سے گہری دلچسپی ان کی شخصیت کی آئینہ دار تھی- بہادر شاہ ظفرؔ خود بھی باکمال شاعر تھے- ان کا یہ شعر دیکھیں:

میں ڈھونڈوں ظفرؔ اور کا کیوں ظلِ حمایت
کافی ہے مجھے حیدر و شبیر کا سایہ

شیخ ابراہیم ذوقؔ (متوفی 15 نومبر 1854ء) کو خاقانیٔ ہند بھی کہا جاتا ہے- بہترین فکرِ سخن اور اسلوب بیان ان کی شاعری کا خاصہ ہے- شیخ ابراہیم ذوقؔ غالبؔ کے ہم عصر بھی تھے اور شاہی دربار سے بھی وابستگی رہی- ان کے ہاں بارگاہِ امام حُسین (رضی اللہ عنہ) سے عقیدت کا نرالا انداز ملاحظہ ہو:

لکھوں جس میں کوئی مضمونِ ظلم چرخِ بریں
تو کربلا کی زمیں ہو مری غزل کی زمیں

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ (متوفی 15 فروری 1869ء) کا اردو زبان و ادب کے عظیم شعراء میں شمار ہوتا ہے- جن کے کلام کی خوبی مفرس لہجہ و گہرا فکر و فلسفہ ہے- غالبؔ کے کلام میں امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) سے محبت کا انداز ملاحظہ ہو:

بہت ہے پایۂ گردِ رہِ حسین بلند
بقدرِ فہم ہے گر کیمیا کہیں اُس کو
نبی کا ہو نہ جسے اعتقاد، کافر ہے
رکھے امام سے جو بغض، کیا کہیں اُس کو؟
غمِ شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز
کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں

اردو دُنیا فنِ مرثیہ گوئی میں میر انیسؔ (متوفی 10 دسمبر 1874ء) کو سب سے معتبر حوالہ کے طور پر جانتی ہے- میر انیسؔ کے ہاں منظر نگاری، تراکیب، تلمیحات، فنی ہنر مندی اور استعارات کا استعمال اپنے جوبن پر نظر آتا ہے- میر انیسؔ کی منظر نگاری کا یہ کمال ہے کہ دوران مطالعہ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سارا واقعہ آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے- میر انیسؔ کے مرثیہ سے سینکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن یہاں اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک بند کافی ہے-

کیا فوج تھی حسینؓ کی اس فوج کے نثار
ایک ایک آبروئے عرب فخر روزگار
جرار و دیں پناہ نمودار نامدار
لڑکوں میں سبزہ رنگ کوئی، کوئی گل عذار
فوجیں کوئی سماتی تھیں ان کی نگاہ میں
وہ سب پلے تھے بیشۂ شیر الٰہ میں

میر انیسؔ کی مرثیہ گوئی کے ضمن میں شبلی نعمانی کی رائے بہت اہمیت کی حامل ہے:

"شاعری درحقیقت مصوری ہے- ایک درخت کی تصویر کھینچنی ہو تو کسی قسم کی تخیل اور دیدہ وری کی ضرورت نہیں، ٹہنیاں، پھل، پھول، پتے سب سامنے ہیں اور ہر شخص ان کو محسوس کر سکتا ہے- لیکن رنج، غم، جوش، محبت، غیظ، بیقراری، بیتابی، مسرت، خوشی، محسوس اور مادی چیزیں نہیں ہیں، آنکھ ان کو محسوس نہیں کر سکتی، البتہ دل پر ان کا اثر ہوتا ہے- لیکن یہ اثر سب پر یکساں نہیں ہوتا، اس لیے ان کی ہو بہو اور اصلی تصویر اتارنا مشکل ہے- میر انیس کا اصل جوہر یہیں پر کھلتا ہے- میر انیس کے مرثیوں میں نہایت کثرت سے ان جذبات کا

اور ان کے مختلف مدارج کا ذکر ہے، لیکن جس جگہ جس چیز کو لیا ہے اس کمال کے ساتھ اس کی تصویر کھینچی ہے کہ پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے"۔[3]

میر انیسؔ کے ہی ہم عصر مرثیہ کے ایک اور اہم اور فقید المثال شاعر کا نام مرزا سلامت علی دبیرؔ (متوفی مارچ 1875ء) ہے۔ فنی چابکدستی اور قادر الکلامی سے لبریز اس شاعر نے بھی لازوال مرثیے لکھے ہیں۔ چند مثالیں دیکھیں:

ہونے کو تو جہان میں کیا کیا نہیں ہوا
پر حضرتِ حسین سا آقا نہیں ہوا
عباس سا حسین کا شیدا نہیں ہوا
سقہ شہید نہر پہ پیاسا نہیں ہوا
یہ آب و گِل میں حبِ شہِ نیک خو ملی
جتنی تھی پیاس اس کے سوا آبرو ملی

مومن خاں مومنؔ (متوفی 14 مئی 1852ء) کلاسیک ادب میں بطور غزل گو اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں۔ وہ طب، نجوم، رمل، موسیقی، شطرنج اور عملیات کے ماہر تھے۔ ان علوم وفنون کی گونج ان کی شاعری میں بھی سنائی دیتی ہے، دہلی کے کارزارِ فکر میں سید احمد شہید کے زبردست حامی و مؤیّد تھے۔ بارگاہ امام حُسین (رضی اللہ عنہ) میں محبت و عقیدت کا انداز بھی مومن نے جدا پایا ہے۔

سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہلِ عزا کے ساتھ

اردو ادب کے مورخین اور نقادوں کے مُطابق کلاسیک ادب کا آخری اور اہم ترین شاعر داغؔ دہلوی (متوفی 16 فروری 1905ء) ہے۔ یہ وہی داغؔ دہلوی ہیں جن سے شروع میں اقبالؔ نے شاعری میں اصلاح لی۔ داغؔ دہلوی کی غزل سادہ رواں اور خوبصورت اسلوب کی حامل ہے۔ داغ کے ہاں اکثر و بیشتر اشعار ایسے ہیں جن میں بارگاہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) میں عقیدت اور محبت کا رنگ جھلکتا ہے۔

غمِ حُسینؑ میں اُٹھے گا سرخ رُو اے داغ
یہ بوجھ تُو نے اٹھایا علی علی کر کے

دشمن کے آگے سر نہ جھکے گا کسی طرح
یہ آسماں زمیں سے ملایا نہ جائے گا

امیر مینائی (متوفی 13 اکتوبر 1900ء) کا سلسلہ نسب حضرت عباس بن عبد المطلب (رضی اللہ عنہ) سے ملتا ہے۔ منطق، فلسفہ، فقہ، اصول فقہ اور علم جفر میں مہارت حاصل کی۔ امیر مینائی اردو ادب میں اپنی نمایاں شناخت رکھتے ہیں۔ ہدیہ عقیدت ملاحظہ ہو:

جو کربلا میں شاہِ شہیداں سے پھر گئے
کعبہ سے منحرف ہوئے قرآں سے پھر گئے
امیرؔ اپنا دلِ پُر داغ سوئے کربلا لے چل
یہ گلدستہ ہے نذرِ روضۂ شبیر کے قابل

یہ وہ چنیدہ شعراء ہیں جن کا ہم نے موضوع کی مناسبت سے اپنے مضمون میں جامع طور پر ذکر کیا۔ ان شعراء کے علاوہ بھی کلاسیکی ادب میں درجنوں ایسے نام موجود ہیں جن کے کلام میں ہدیہ عقیدت بارگاہ امام حُسین (رضی اللہ عنہ) شد و مد کے ساتھ ملتا ہے۔ حضرت علامہ اقبال کے اشعار پہ اختتام کرتے ہیں:

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حُسین، ابتدا ہے اسماعیل
صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حُنین بھی ہے عشق

☆☆☆

[3] موازنہ انیس و دبیر، شبلی نعمانی، مطبوعہ لالہ رام نرائن لعل بکسیلر، آلہ آباد 1936، ص:118

واقعۂ کربلا

کلامِ شاہ عبداللطیف بھٹائی (رحمۃ اللہ علیہ) کی روشنی میں

مقصود احمد

ذبح عظیم کے واقعہ سے کون واقف نہیں، اسلام کے جھنڈے کی سربلندی اور شجر اسلام کی آبیاری کے لیے امام عالی مقام سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنے خون اور سر مبارک کی قربانی پیش کی۔ اس واقعہ کو ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں اپنے کتب میں درج کیا۔

ہمارا آج کا موضوع سندھ کے مشہور شاعر اور صوفی بزرگ شاہ عبداللطیف بھٹائی (رحمۃ اللہ علیہ) کی شاعری میں واقعہ کربلا کو قارئین کرام کے سامنے پیش کرنا ہے۔ گو کہ شاہ صاحب نے اپنے کلام میں پورا ایک 'سر' جس کا نام شاہ صاحب نے سر "کیڈارو" رکھا ہے جو میدان کربلا اور شہدائے کربلا پر باندھا ہے اسی سر میں اختصار کے ساتھ ابیات رقم کرتے ہیں۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی (رحمۃ اللہ علیہ) کا مختصر تعارف:

شاہ عبداللطیف بھٹائی کی ولادت 1102ھ بمطابق 1689ء، ضلع حیدر آباد کی تحصیل ہالا حویلی کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہوئی اور آپ کا وصال 1167ھ بمطابق 1752ء میں ہوا۔ آپ کے والد گرامی کا نام سید حبیب اللہ شاہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ حبیب اللہ کو پہلے اولاد نہیں ہو رہی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے دو شادیاں کی، پھر کسی درویش سے دعا کروائی جس نے دلجوئی کی کہ آپ کو بیٹے کی اولاد ہو گی اور وہ زمانے کا قطب ہو گا لیکن اس کا نام "عبداللطیف" رکھنا۔ اللہ کے فضل و کرم سے سید حبیب اللہ شاہ کے ہاں پہلی زوجہ میں سے بیٹا پیدا ہوا جو بچپن میں ہی فوت ہو گیا۔ پھر دوسری زوجہ میں سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام جمال شاہ رکھا۔ پھر پہلی زوجہ میں سے بیٹا پیدا ہوا جس کا نام "عبداللطیف" رکھا جس کو آج ہم شاہ عبداللطیف بھٹائی (رحمۃ اللہ علیہ) کے نام سے جانتے ہیں۔ شاہ عبداللطیفؒ کے پیدا ہونے کے بعد آپ کے والد گرامی ہجرت کر کے ہالا حویلی کے گاؤں کو چھوڑ کر کوٹڑی میں رہائش پذیر ہوئے۔

محققین کے مطابق شاہ صاحب کے پاس تین کتابیں جس میں قران کریم، مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی شریف (جو میاں نور محمد کلھوڑو نے آپ کو تحفے میں دی تھی) اور شاہ کریم کا رسالہ اکثر ساتھ ہوا کرتا تھا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ شاہ صاحب کی شاعری چونکہ سروں پر مشتمل ہے، اس لیے مشہور ہے کہ آپ کا وصال بھی سماع کی محفل میں سر "کیڈارو" ہی کی سماعت کے دوران ہوا، سر "کیڈارو" کی شاعری بھی حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ)، واقعہ کربلا اور ماہ محرم الحرام پر ہی مشتمل ہے اور "کیڈارو" کی معنی ہے جنگ یا میدان جنگ۔

ماہ محرم الحرام کی آمد پر ابیات:

ڏٺو محرَّم ماھ، ٿئو سنڪو شهزادن ۾،
جاڻي هيڪ اُلله، پاڻ وڻنديون جو ڪري

"جب سے ماہ محرم الحرام کا چاند نظر آیا ہے، تب سے سادات کے شہزادوں کو انتظار ہے۔ وہ وحدہ لاشریک ہی جانتا ہے جو اسے پسند ہے وہ کرتا ہے"۔

ڏٺو محرَّم ماھ، سنڪو شهزادن ٿئو،
مڪي مديني ماڻهين، رُنو متي راھ،
تنهن واحد کي واھ، جو حڪم هھڙائي ڪري

"جب سے ماہ محرم الحرام کا چاند نظر آیا ہے سادات کے شہزادوں کو انتظار ہے، مکہ شریف اور مدینہ شریف کے لوگ اس راستے پر روتے ہیں، تمام تعریفیں اس وحدہ لاشریک کیلئے جو ایسے احکام کو جاری فرماتا ہے"۔

آيو محرم ماھ، عزت ٿي اميرن ڪي،
توشو ڪيائون توڻ جو، ڪاٿيون پاٿي گاھ،
جاڻي هيڪ اُلله، مڃيائون رضا رب جي.

"ماہ محرم الحرام آگیا، سادات کے سرداروں کو بلند و بالا مقام و مرتبہ عطا ہوا ہے، سادات نے اپنے گزر سفر کا مختصر سا اسباب ساتھ لیا اور سفر کے لیے نکل پڑے ہیں،

وہ وحدہ لا شریک ہی جانتا ہے، انہوں (سادات) نے رب کی رضا کو مان لیا ہے"۔

محرم موٽي آيو، آيا تان نه امام،
مديني جا جام، مؤلا مون کي ميڙين

"محرم الحرام تو واپس آ گیا پر نہ آئے تو امام پاک نہیں آئے، اے میرے اللہ مجھے مدینے کے سرداروں سے ضرور ملانا"۔

محرم موٽي آيو، موٽيا تان نه امير مديني
جا مير، ڏاتر مون ڏيکارين

"ماہ محرم الحرام تو واپس آ گیا پر واپس نہ آئے تو سادات، اے میرے اللہ مجھے مدینے کے سردار دکھانا"۔

امام عالی مقام کو کوفیوں کے طرف سے لکھے ہوئے خطوط پر ابیات

ڪوفين خط لکئو، وچ وجهي الله
اسين تائب تنهنجا، تون اسان جو شاهه
هيڪر هيڏي آءُ، ته تخت تابيني تنهنجي

"کوفیوں نے خط لکھا واسطہ خدا دے کر کہا کہ ہم آپ کے تابع ہیں اور آپ ہمارے سردار ہیں ایک دفعہ آپ ہمارے پاس آئیں تاکہ یہ تخت آپ کے حوالے کریں"

ڪوفي ڪربلا ۾، پاڻي نه پيارين
اتي عليءَ شاهه ڪي، شهزادا سارين
نڪرئو نهارين، چڙهه مير محمد عربي

"کوفیوں نے کربلا میں سادات کو پانی تک نہ پلایا، میدان کربلا میں سادات کے شہزادے مولا علی سرکار (رضی اللہ عنہ) کو یاد کرتے رہے، خیموں سے نکل کر فرماتے ہیں اے رسول پاک شہ لولاک (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے حامی و ناصر ہیں"۔

میدان کربلا میں سادات کی آمد اور بہادری کے جوہر

ڪربلا جي پڙ ۾، خيمان کوڙيائون
جهيڙو يزيد سامهون، جنبي جوڙيائون
منهن نه موڙيائون پسي تاءُ ترار جو

"سادات نے کربلا کے میدان میں اپنے خیمے نصب فرمائے، یزیدی لشکر کے سامنے بڑے جوش وجذبے کے ساتھ جنگ لڑی، تلواروں کی تاب کو دیکھتے ہوئے پھر بھی پسپائی اختیار نہ کی"۔

ڪربلا جي پڙ ۾، مرکي آيا مير
وڙهي وين سامهان، تکا هنيائون تير
هئي ايءَ تقدير، اصل امامن سين

"میدان کربلا میں اپنا سر فخر سے اونچا کر کے دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کی، بڑی تیزی کے ساتھ تیر چلائے یہ تو تقدیر کا لکھا ہوا اٹل فیصلہ تھا جو امام حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) اور آپ کے رفقاء ساتھ پیش آنا تھا"۔

ڪامل ڪربلا ۾، آيا جنگ جوان،
بهادر ڳڏيا بهادرين، شير وڏي سان شان،
ڌرتي ڌبي لرزي، ٿر ٿلئا آسمان،
ڪره هئي ڪا نه، هو نظارو نينهن جو

"میدان کربلا میں سادات کے سردار تشریف لائے جو جنگوں کے بہت بڑے بہادر شاہ سوار تھے، بڑی شان سے وہ شیر جوان بہادر بہادروں کے ساتھ آ ملے، زمین کانپنے لگی آسمان لرزنے لگا، یہ کوئی جنگ نہیں تھی بلکہ میدان عشق کا دیکھنے والا منظر تھا"۔

ڪامل ڪربلا ۾، آيا سيد شير،
سچ اَلهِي سانجهي ٿي، منهن اونداهيءَ مير،
هٽن هاتڪن ڪي، پانو پري پير،
ماري مصرين سين ڊنڊ ڪٽائون ڍير
دهلئا اُت دلير، پسي حملو مير حسين جو

"میدان کربلا میں سادات کے شیر تشریف لے آئے، سورج غروب ہو گیا اور شام ہو گئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا، آگے بڑھ کر ایسا حملہ کیا، پہلوانوں اور بہادروں کو ایسی ضربیں لگائیں ایسی تیز تلواریں چلائیں کہ لاشوں کے انبار لگا دیئے، حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا ایسا حملہ دیکھ کر بڑے سے بڑے بہادر جنگجو بھی لرز گئے"۔

ڪامل ڪربلا ۾، سورهه ساماٽا،
ڪندا راماٽا، ڪوئنر ڪلي جا ڪوڏيا

"میدان کربلا میں مشہور بہادر سردار تشریف لائے وہ شہزادے جنگ کے صدائیں بلند کرتے ہوئے آئے جو میدان جنگ کا شوق رکھتے تھے (جو جذبہ جہاد کے شوق سے سرشار تھے)"۔

بهادر ڳڏئا بهادرين، ڪڙڳ ڪلول ڪن،
وجهن ڌڙ ڌڙن تي، هاڪارين هٽن،
ڪرن ڪونڌ نچن، رڻ ڳجئو راڙو ٿئو.

"بہادر بہادروں کے سامنے تلواروں کی روشنی میں مقابل ہوئے، دھڑ کو سر سے الگ کر کے اچھالتے اور صدا بلند کرتے ہوئے چوٹیں لگاتے، پہلوانوں کے بدن بغیر سر کے پھڑکتے، کربلا کے اس بیابان میں رونے کے ساتھ آہ و فغاں کی فلک شگاف آوازیں تھیں۔ (حضرت

امام حسین (رضی اللہ عنہ) اور آپ کے رفقاء نے یزیدی لشکر کے سپاہیوں کی یہ حالت کر دی تھی)"۔

کامل کربلا ۾، اهلبيت آيا
ماري مصرين سين، ان ڪافر ڪنبايا
سچ ڪ بيبيءَ ڄايا، اهڙا سورهہ سپرين

"میدان کربلا میں اہل بیت تشریف لے آئے، جنہوں نے اپنی تلواروں سے یزیدی لشکر کے سپاہیوں کو ہلا کر رکھ دیا، بے شک اماں خاتون جنت (رضی اللہ عنہا) نے ایسے بہادر جنم دیئے جو محبوب بھی تھے"۔

حضرت حُر کا امام عالی مقام (رضی اللہ عنہ) کے لشکر میں شامل ہونا:

هئي هدايت حر ڪي، اصل ۾ امران،
چڙهي آيو جنگ تي، هلي هن پاران،
ايندين چيائين امام ڪي، ته گهوريس آن مٿان،
لا يكلّف الله نفسًا الّا وسعها،ڪندس وس وڏا،
گهوٽ په لڳا گهاءَ، اي پڻ شير شهيد ٿئو.

"حضرت حر (رضی اللہ عنہ) کو اصل میں امر ربی کی طرف سے ہدایت نصیب ہونی تھی جو جنگ کے آخری حصے میں امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے یزیدی لشکر کے سامنے جنگ کرنے آ گئے، آتے ساتھ ہی حضرت حر (رضی اللہ عنہ) نے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے عرض کی کہ آپ کی عزت و ناموس پر میں قربان، (اس سطر میں قران کریم کی سورہ بقرہ کی آیت شاہ صاحب نے بڑے خوبصورت انداز سے بیان فرمائی ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا، حضرت حر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی کہ میں اپنی پوری طاقت استعمال کروں گا، حضرت حر (رضی اللہ عنہ) کو دوران جنگ مسلسل زخم لگتے رہے بالاخر وہ بہادر شیر دین حق کی سربلندی کے لیے راہ خدا میں شہید کر دیئے گئے"۔

حر هلي آيو هن پاران، مانجهي مردانو،
اڳيان اچي امام جي زور، پرپائين جانو،
آهي عاشق آڳ جو، پتنگ پروانو،
ياءَ، پٽ سر صدقو، ٻئو پڻ ڏيان ٻانهون،
مان نه راضي ٿئي رسول رب جو، نبي تو نانو،
هي سر سمانو، گهوٽ مٿانئي گهوريان

"بہادری اور طاقت سے لبریز حضرت حر (رضی اللہ عنہ) میدان جنگ میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے جنگ کرنے آ گئے، حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے روبرو آ کر لگاتار پشیمانی کا اظہار کرتے رہے (یعنی معافی کی عرض کرتے رہے) یعنی وہ عاشق پروانے کی طرح عشق کی آگ میں جلنے کیلئے آ گئے، حضرت حر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے بھائی بیٹے اور اپنے غلام اور خادم سب کو راہ خدا میں قربان کر دیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب اور نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) اے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) آپ کے نانا جان ہیں وہ مجھ سے راضی ہو جائیں، اے میرے خوبصورت سردار (حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ) میں یہ اپنا سر بھی آپ پر قربان کر کے عزت والا بن جاؤں گا"۔

اللہ کی رضا:

دوست ڪهائي دادلا، محب مارائي
خاص خليلن ڪي، سختيون سهائي
اُلله الصمد بي نياز، جا ڪري سا چاهي
انهيءَ ۾ آهي اُونهي ڳالهہ اسرار جي

"اپنے ناز و نخرے والے دوست ذبح کروا دیتا ہے اپنے محبوب مروا دیتا ہے اپنے خاص دوستوں کو تکلیفیں برداشت کرواتا ہے، اے اللہ تو بے نیاز ہے جو چاہے سو کرے اسی میں ہے وہ گہرے اسرار رموز کی بات"۔

شاہ عبد اللطیف بھٹائی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے شاعری میں واقعہ کربلا کو بڑے بہترین پیرائے میں بیان فرمایا ہے جو ماہ محرم الحرام اور میدان کربلا میں سادات کی طرف سے بہادری کے جو جو ہر یزیدی لشکر نے دیکھے ان کو بیان فرمایا حالانکہ آپ کے ابیات سر کیڈارو میں اور بھی بہت ہیں پر یہاں بہت اختصار کے ساتھ قارئین کرام کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

☆☆☆

ماخوذ از: کتاب: شاہ جو رسالو (جلد نمبر 1)، مرتب: بانھوں خان شیخ، شاہ عبد اللطیف بھٹائی چیئر کراچی یونیورسٹی، مئی 2000ء

☆☆☆

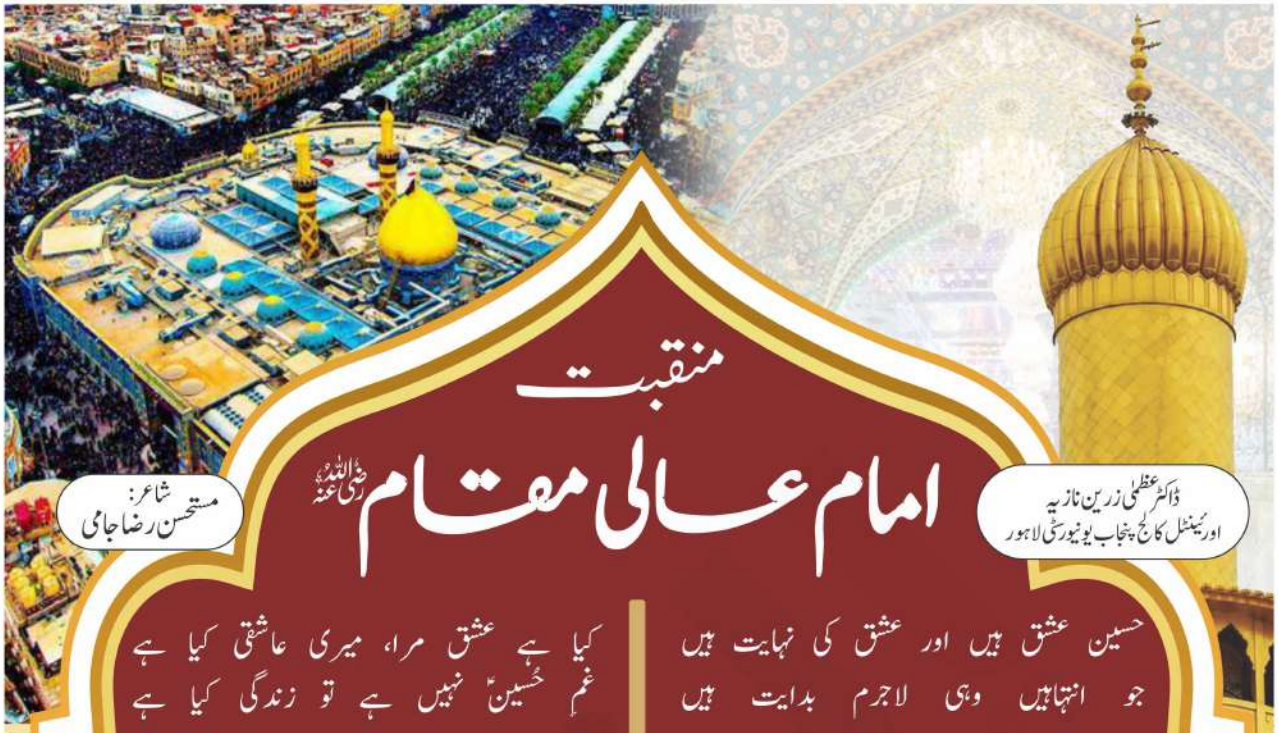

منقبت
امام عالی مقام رضی اللہ عنہ

ڈاکٹر عظمیٰ زرین نازیہ
اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور

شاعر:
مستحسن رضا جامی

حسین عشق ہیں اور عشق کی نہایت ہیں
جو انتہا ہیں وہی لاجرم بدایت ہیں

"حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے" سن لو
نبی کا قول ہیں وہ قول کی روایت ہیں

روان و روح شہیدان کربلا اب تک
بدن میں دین کے جاں کی طرح سرایت ہیں

وہ ماہ و مہر امامت، نماد جودو سخا
دیے ہیں سر، ز کف پا تا سر عنایت ہیں

حسن حسین ہوں زہرا ہوں یا علی مولا
حدیث احمد مرسل کی وہ درایت ہیں

ولایت ان کے گھرانے میں آ کے ٹھہری ہے
علی ہیں شیر خدا اور شہ ولایت ہیں

نشانیاں ہیں مرے رب کی جا بجا ظاہر
مرے حسین مرے رب کی ایک آیت ہیں

مجھے بھی ناز ہے زریں انھی کی نسبت پر
جو اہلِ بیت ہیں اور تا ابد ہدایت ہیں

کہیں جو شعر بنام حسین ہم زریں
وہ خود قرینہء لفظی وہ خود رعایت ہیں

کیا ہے عشق مرا، میری عاشقی کیا ہے
غمِ حُسینؑ نہیں ہے تو زندگی کیا ہے

اکیلے لاشے پہ لاشہ اٹھائے پھرتے ہیں
کوئی حُسینؑ سے پوچھے کہ بے گھری کیا ہے

کٹا کے بازو سرِ دشت مولا غازیؑ نے
دیا یہ درس؛ وفا کیا ہے نوکری کیا ہے

ہر ایک سانس لہو میں رواں ہے کرب و بلا
یہ چند سال کا عرصہ یہ اک صدی کیا ہے

مرا سوال ہے فکرِ یزید والوں سے
تمہیں رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عترت سے دشمنی کیا ہے؟

یہ مال و زر یہ مراتب کے سلسلوں سے گذر
ہو اہلِ بیت سے نسبت تو پھر کمی کیا ہے

وسیلہ ہے یہ غلامی کا اور سلامی کا
"وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے"

رضائے رب میں مودّت کا ہے مقام الگ
حُسینؑ نے ہے بتایا کہ بندگی کیا ہے

بجھا کے سبطِ پیمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سب دیئے جامی
یزیدی سوچ میں گم ہیں یہ روشنی کیا ہے؟

www.mirrat.com
ماهنامہ
لاہور
مراۃ العارفین
انٹرنیشنل
نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)
سلطان العارفین حضرت سلطان باھو کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیمبر، اتحادِ ملّتِ بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی
مراۃ العارفین انٹرنیشنل اردو کا ماہانہ تحقیقی مجلہ ہے۔
مذکورہ ماہنامہ کا نام سید الشہداء نواسہ رسول حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی ایک عظیم تصنیف مراۃ العارفین پر رکھا گیا ہے۔
عالمی معیار کی ویب سائٹ
فلسطین
صدا بحضور غوث الوریٰ
تازہ ترین اور گزشتہ میگزین کے مطالعہ کیلئے وزٹ کریں
www.mirrat.com

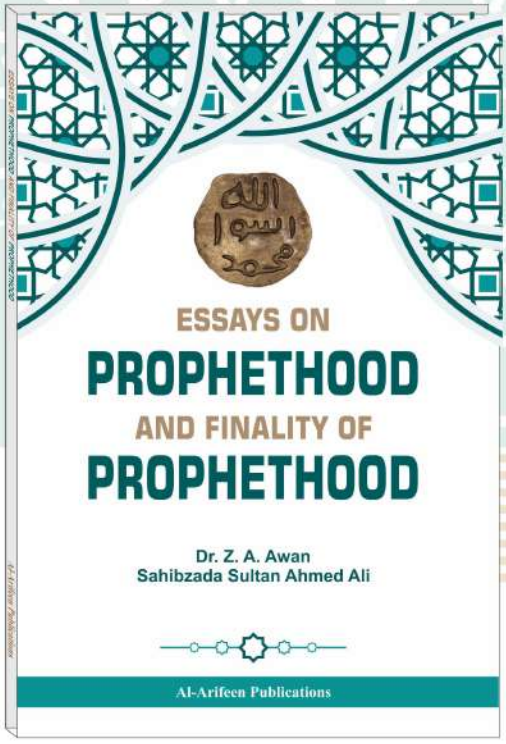

یہ کتاب ڈاکٹر زیڈ-اے اعوان اور صاحبزادہ سلطان احمد علی کے تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے-
اس کتاب میں انبیاء ورسل کی بعثت و پیغام، وحی الٰہی کی ضرورت واہمیت، رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالمگیریت وآفاقیت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصفِ ختمِ نبوت کو علمی وفکری تناظر میں اُجاگر کیا گیا ہے-

کتاب ھذا نبوت کے روحانی مقاصد، تاریخی تناظر اور عقیدہ ختمِ نبوت
جیسے اھم موضوع کی افھام و تفھیم کیلئے ایک عمدہ انتخاب ھے۔

اسلامی تعلیمات میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے نایاب علمی تحفہ

A MEANINGFUL STRUGGLE
INTERNATIONAL STANDARD

اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں۔

العارفین پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور-پاکستان
ہیڈ آفس: دربار عالیہ حضرت سخی سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ ضلع جھنگ (پنجاب) پاکستان

پوسٹل ایڈریس: پی-او-بکس نمبر 11، جی پی او، لاہور
ویب سائٹ: www.alfaqr.net
ای میل: alarifeenpublication@hotmail.com